ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Monthly JEHD-E-HAQ - May 2021 - Registered No. CPL-13

(قیمت 10 روپے)

جلد نمبر 28 ...... شمارہ نمبر 5 ...... مئی 2021

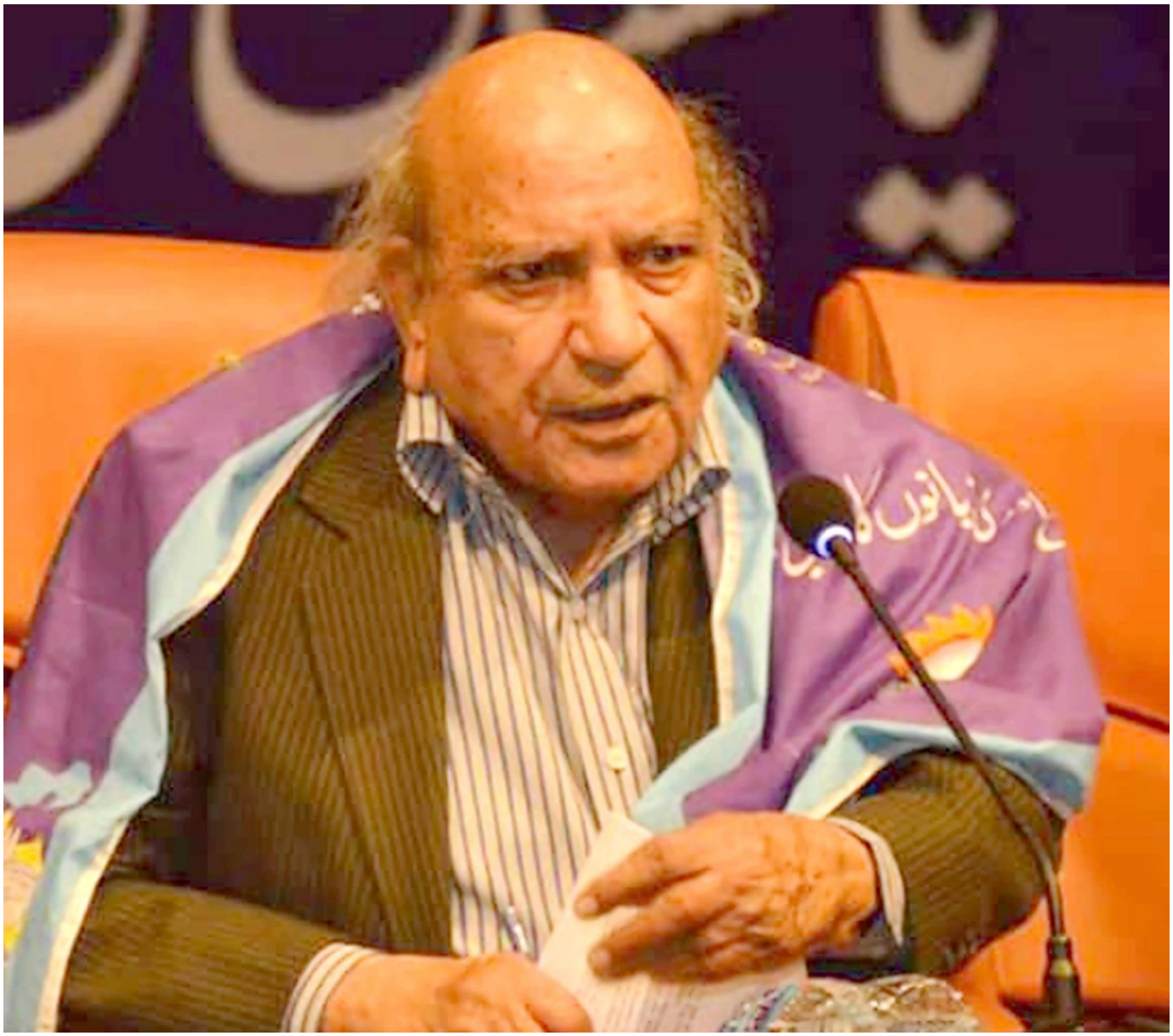

ہَوا کرتی ہے اپنا کام اور شمعیں بجھاتی ہے
ہم اپنا کام کرتے ہیں، نئی شمعیں جلاتے ہیں
حسن عابد

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقتدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا چکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔
دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(1) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

آئی اے رحمان: انسانی حقوق کا پیکر

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) آج اپنے اعزازی ترجمان اور سابق سیکرٹری جنرل آئی اے رحمان کی وفات پر ناقابلِ بیان صدمے سے دوچار ہے۔

محترم رحمان 1990 سے 2008 تک ایچ آر سی پی کے ڈائریکٹر جبکہ 2008 سے 2016 تک منتخب سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہ پاکستان-ہندوستان فورم برائے امن و جمہوریت کے شریک بانی، ساؤتھ ایشینز فار ہیومن رائٹس (ایس اے ایچ آر) کے بیورورکن، اور ساؤتھ ایشین فورم فار ہیومن رائٹس (ایس اے ایف ایچ آر) کے سابق چیئر پرسن تھے۔ حال ہی میں، وہ ایذارسانی و دہشتگردی پر اذیت رسانی کے خلاف عالمی ادارے (او ایم سی ٹی) کے قائم شدہ ورکنگ گروپ کے رکن اور پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے عوامی کمیشن کے سرپرست اعلیٰ کی حیثیت سے کام کررہے تھے۔ 2003 میں انہیں نیورمبرگ سٹیز انٹرنیشنل ہیومن رائٹس ایوارڈ جبکہ 2004 میں میگسے سے ایوارڈ فار پیس سے نوازا گیا۔

انسانی حقوق کے پیکر، محترم رحمان صاحب پروقار، باضمیر اور نہایت شفیق انسان تھے۔ وہ ان چند لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے 1971 میں بنگلہ دیش (تب مشرقی پاکستان) میں فوجی کاروائی کی مخالفت کی تھی اور جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت کے دوران، ٹریڈ یونین سرگرمیوں اور شہری آزادیوں میں اپنے خیالات و کام کی بدولت قید و بند کی صعوبتوں اور ملازمت سے برخاستگی جیسے مصائب سے دوچار ہوئے۔

70 برسوں پر محیط صحافتی زندگی کے دوران، وہ فلم، ادب، سیاست اور انسانی حقوق جیسے موضوعات پر قلم نگاری کرتے رہے۔ ان کے آخری مضمون تک، ان کی تحاریر دانش، مزاح اور توانائی سے بھرپور تھیں۔ جبری گمشدگیوں کی مخالفت، سزائے موت اور جبری مشقّت، یا عورتوں، بچوں، اور مذہبی و لسانی اقلیتوں کے حقوق کے لیے غیر متزلزل حمایت کے حوالے سے پاکستان میں شاید ہی کوئی اُن کے ہم پلّہ ہو۔

ایچ آر سی پی کی چیئر پرسن حنا جیلانی نے کہا ہے: 'آئی اے رحمان نے مقتدر حلقوں کے سامنے حق کی آواز بلند کرنے کی جو میراث اپنے پیچھے چھوڑی ہے اس نہ صرف عوام کے دلوں میں انسانی حقوق، جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے احترام کی قدر پیدا ہوئی ہے بلکہ جن عناصر کو اُنہوں نے تنقید کا ہدف بنایا ان پر بھی یہ باور ہوا کہ ان کا کردار سماج کے انتہائی پسے ہوئے طبقوں کے لیے کس حد تک نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔'

سیکرٹری جنرل حارث خلیق نے کہا کہ آئی اے رحمان جیسے عوامی دانشور کا متبادل پانا ناممکن ہے۔ وہ بے آوازوں کی آواز بنے اور ستم زدوں کے لیے اُمید کی کرن ثابت ہوئے۔ اُن کی انسانی اقدار، سیاسی بصیرت، وسیع علم اور دانش ایسے تمام افراد کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنی جنہیں اُن کے ساتھ کام کرنے کا موقع نصیب ہوا، خاص طور پاکستان اور عام طور پر پورے جنوبی ایشیا میں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 12 اپریل 2021]

فہرست

دونوں فریق اپنے کردار سے غافل ہیں	04
رحمٰن صاحب کو سب سے بہترین خراجِ تحسین ان کی میراث کو آگے بڑھانا ہے	05
ابنِ عبدالرحمان (1930—2021)	09
ایک استاد اور رہبر	11
رحمان صاحب کے چنے ہوئے راستے پر سفر جاری رہے گا	12
آئی اے رحمان، ایک مثالی شخصیت	13
پاکستان میں انسانی حقوق کا نامور دفاع کار	14
الوداع، رحمان صاحب	15
رحمان صاحب، اگلی ملاقات تک خدا حافظ	17
محروم طبقات کی آواز، آئی اے رحمان	20
آئی اے رحمان اپنے دور کے تمام انسانوں سے منفرد اور ممتاز تھے	22
استاد آئی اے رحمان	24
آئی اے رحمان: پاکستان میں انسانی حقوق کی سب سے توانا آواز خاموش ہوگئی	25
آئی اے رحمان کی رخصتی	26

دونوں فریق اپنے کردار سے غافل ہیں

آئی۔اے۔رحمان

پاکستان میں اپنے سیاسی مخالفین کو چور کہہ کر اُن کی ملامت کرنا اور بدلے میں وہی ردِعمل وصول کرنا معمول بن گیا ہے۔ ملک میں یہ روایت سے ہمیشہ سے موجود نہیں تھی اور یہاں سیاسی حریفوں کے ساتھ باعزّت سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ یہ ناروا پیش رفت سیاسی بحث ومباحث میں بے اصول سیاسی نووارد وں کی شمولیت متعارف ہوئی ہے۔ اُن دِنوں عام رجحان دوسروں کو کمتر کہہ کر اپنا مرتبہ بڑھانا ہے، اور وہ بھی اکثر ضروری معلومات کے بغیر۔ چنانچہ، سیاسی مخالفین کے درمیان تبادلہ خیال اکثر عجیب مشقتوں میں تبدیل ہو جاتا ہے جن میں بنیادی مقصد مخالفین کے لیے سب سے زیادہ بیہودہ القابات کی تلاش ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر، موجودہ حکومت اپنے سیاسی مخالفین کو 'چور' اور 'لُوٹرز' (looters) کہہ کر پکارتی ہے، انگریزی زبان میں مؤخرالذکر کی شمولیت کا سہرا ہم برصغیر والوں کے سر جاتا ہے۔ درحقیقت، سیاسی بحث کی سطح غیر مہذب کلمات اور گالی گلوچ والی اصطلاحات کی حد تک گر چکی ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ ان سیاسی عناص کی عنایت ہے جو خود ساختہ پاکبازی کے خبط میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو برائی کا مجسمہ سمجھتے ہیں۔ اس کے باعث جو تھوڑا بہت سیاسی مکالمہ ہے وہ بھی بیہودگی کی بھینٹ چڑھ رہا ہے جس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ نتیجتاً، شہری معمول کے سیاسی لین دین سے سیکھنے کے کسی بھی امکان سے محروم ہیں۔

اگر سیاستدان سیاسی حریفوں کے درمیان شائستہ مکالمے کی بنیادیں ڈالنے کی اپنی ذمہ داری کا ادراک کرتے اور انہوں نے سیاسی مکالمے کی حدود طے کی ہوتیں تو حالات اس نہج تک نہ پہنچتے۔ ہمارے خطے میں کسی سیاسی حریف کی سب سے عام ملامت و مذمت اسے 'غیر محبِّ وطن" قرار دینا ہے، یہ بتائے بغیر کہ کس جادوئی چھڑی کے ذریعے اس کی یہ خامی بے نقاب کی گئی۔ جن ممالک میں کئی سیاستدانوں کے اثاثوں میں دیگر خطوں کی نسبت زیادہ تیزی سے اتار چڑھاؤ آتا ہے، وہاں تمام سیاسی طبقے کو مختصر وقت میں ناقابلِ اعتبار ٹھہرا کر رد کروانا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ صورتحال میں بہتری صرف اس صورت آ سکتی ہے کہ کوئی بھی سیاسی جماعت اپنی حریف جماعت کو وہی احترام بخشے جس کی وہ خود خواہشمند ہوتی ہے۔

یہ ذمہ دار سیاسی طرزِ عمل کے بنیادی تقاضے ہیں جو زیادہ تر کارکنان سیاسی لحاظ سے باشعور معاشروں میں اپنے تربیتی ایام کے دوران سیکھتے ہیں، جہاں کارکن کو سکھایا جاتا ہے کہ اس نے عوام کے منتخب نمائندوں کے ایوان میں پہلی تقریر کیسے کرنی ہے اور اپنے خصوصی شعبے کا انتخاب کس طریقے سے کرنا ہے۔ مگر کیا پاکستان کے نووارد قانون ساز اور سیاسی جماعتوں کے سربراہاں جن پر اسمبلیوں میں اپنے نمائندوں کی تربیت کی ذمہ داری عائد ہے، ان تقاضوں کا علم رکھتے ہیں؟

کوئی بھی سماج ایسے مؤثر سیاسی علم کے ساتھ پیدا نہیں ہوتا جو کسی ذہین شخص کے تجربات کے شایان شان ہو؛ سیاسی رویے کے کئی بنیادی اصول ہوتے ہیں جو نووارد سیاستدان اپنی جماعت اور دیگر جماعتوں کے سینئر سیاستدانوں سے سیکھنے کے مستحق ہوتے ہیں۔ پہلا نقطہ یہ ہے کہ سیاست، خاص طور پر جمہوری طرز کی سیاست شعوری عمل کے ذریعے سیکھی جاتی ہے۔ جماعت کے سینئر اراکین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی نوجوان قیادت کو سیاسی رویے کے رموز واسرار سے آگاہ کریں مگر وہ یہ ذمہ داری صرف تب ہی ادا کر سکتے ہیں اگر انہوں نے خود یہ تربیت حاصل کر رکھی ہو۔

ضروری نقطہ یہ ہے کہ جماعتیں اپنے بڑوں کے علم و تجربے کی بنیاد پر شعور کی منزلیں طے کرتی ہیں۔ بدقسمتی سے، ہمارے نوجوان سیاستدانوں کو یہ موقع میسر نہیں آتا اور انہیں اپنے محدود وسائل کے بہترین استعمال پر ہی منحصر ہونا پڑتا ہے۔ پاکستان میں، سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کو خوف لاحق ہے کہ اگر وہ اپنے کارکنان کو حکمت و دانش کی باتیں بتائیں گے تو وہ اپنا رتبہ کھو بیٹھیں گے، اور نتیجتاً وہ جاہل پیروکاروں کے ہجوم کے رہبر بن کر رہ جاتے ہیں۔

پاکستان جیسے معاشروں میں سیاسی پسماندگی کی بنیادی وجہ احتجاجی سرگرمی سے آگے بڑھنے میں ناکامی ہے جو غیر ملکی حکمرانی سے آزادی کی مختصر جدوجہد کے دوران ضرورت کی پیداوار ہوتی ہے۔ سیاسی شعور سے مسلح معاشرے جن کے پاس مستحکم جمہوری سیاست کا تجربہ ہے مناسب مدت کے دوران باضابطہ تعلیمی تربیتی کورسز سمیت مختلف پلیٹ فارموں کے ذریعے اپنے نوجوان سیاستدانوں کی سیاسی تربیت کا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر پاکستان جیسے ممالک جہاں اس قسم کی تربیت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے جمہوری سیاست کی اس لازمی شرط کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔

بدقسمتی سے، پاکستان دیگر معاشروں کے تجربات سے سیکھنا تو دور کی بات اپنے تجربے سے سیکھنے کے لیے بھی آمادہ نظر نہیں آتا۔ مثال کے طور پر، ہم نے دیکھا کہ اسٹیبلشمنٹ کے ماہر کارندوں نے حزبِ اختلاف کے رہنماء کے ساتھ تعاون کا راستہ اختیار کیا۔ یوسف رضا گیلانی کو چند ایک معمولی کامیابیوں کا موقع دے کر اسٹیبلشمنٹ نے حزبِ اختلاف کے رہنماء کی حیثیت سے اُن کے کردار کو کمزور کر دیا ہے اور

اب ہماری جاگیردارانہ سیاست میں انہیں درمیانی فرد (middle man) کے طور پر استعمال کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔

وہ غالباً اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ انسان اپنے سے کم علم افراد کے ساتھ علم و تجربہ بانٹے تو وہ تنزلی کی بجائے اور ترقی کی طرف پیش قدمی کرے گا۔ پاکستان کی سیاست کی پسماندگی کی ایک وجہ سیاسی رہنماؤں اور کارکنان کے مابین گفتگو کا فقدان ہے۔ جماعت کے قائدین کو چاہیے کہ وہ اپنے نائبین کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ گفتگو کرتے رہا کریں اور انہیں اپنے جونیئرز کے ساتھ یہی عمل کرنے کی ترغیب دیں۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے سیاسی جماعتوں میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ یہاں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سیاسی تنظیم کے بنیادی اصولوں سے زیادہ کچھ نہیں، مگر ایک بار بنیادی قدم اٹھا لیے جائیں تو پھر ہم ٹھوس سیاسی تنظیم سازی کی طرف پیش قدمی کریں گے۔

جمہوری نظم ونسق کی کامیابی کا انحصار اس کے شاہانہ طرز کے پہلے دستے پر نہیں ہوتا بلکہ اس کے آخری دستوں کے عزم پر ہوتا ہے جنہیں اہم معاملات میں اتنا ہی باخبر ہونا چاہیے جتنا کہ پہلی صفوں کے سپاہی ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جماعتوں کے رہنماء خوفزدہ ہیں کہ اگر ان کے پیروکار سیاست کے رموز واسرار سیکھ گئے تو ان کی مراعات ختم ہو جائیں گی۔

اس گفتگو کا حاصل کلام یہ ہے کہ سیاست کو سنجیدہ پیشہ سمجھا جائے نہ کہ تجوریاں بھرنے کی مشق میں اتوار کی دوپہر کا مختصر وقفہ، اور اس مشکل راستے پر، فوری ثمرات پانے کا خواب دیکھے بغیر پرخلوص محنت سے چلیں۔ یقیناً، وقت کا تقاضا ہے کہ حکمران جماعت اور آپسی اختلافات اور مایوسی میں مبتلا حزب مخالف اپنے کردار کو دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے کی پہل شروع کریں۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

رحمٰن صاحب کو سب سے بہترین خراجِ تحسین اُن کی میراث کو آگے بڑھانا ہے

آئی۔اے۔رحمٰن کی یاد میں تعزیتی ریفرنس

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) نے 14 اپریل کو انسانی حقوق کے نامور کارکن، معروف صحافی اور ایچ آر سی پی کے اعزازی ترجمان آئی اے رحمان کی وفات پر انسانیت کے لیے اُن کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے اور اُن کی موت سے پیدا ہونے والے خلاء پر گفتگو کرنے کے لیے ایک آن لائن تعزیتی ریفرنس کا اہتمام کیا جس میں دنیا کے مختلف خطوں سے انسانی حقوق کے کارکنان، شعبہ سیاست و قانون سے تعلق رکھنے والے افراد اور ماہرینِ تعلیم نے شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ریفرنس کے شرکاء میں دیگر کے علاوہ ایچ آر سی پی کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق، ایچ آر سی پی کی چیئر پرسن حنا جیلانی، ایچ آر سی پی کی سابق چیئر پرسن زہرہ یوسف، محترم ارشد، معروف صحافی احمد رشید، محمد تحسین، ایچ آر سی پی کے سابق چیئر پرسن اور نامور ماہرِ تعلیم ڈاکٹر مہدی حسن، جان سٹاک ہاؤس، ڈکشیا سنگھے، سید صلاح الدین، ماہین پراچہ، ڈاکٹر اے ایچ نیئر، زرینہ سلامت، نذیر احمد، عطیہ خان، سلیمہ ہاشمی، تنویر جہاں، وجاہت مسعود، کشور ناہید، پروین سومرو، کمال حسین، حمیدہ حسین، خاور ممتاز، ڈاکٹر پرویز حسن، امداد چانڈیو، سلیم ملک، فرحت اللہ بابر، ماروی سرمد، حسین نقی، تپن بوس، پیٹر جیکب، پروفیسر امین مغل، ڈاکٹر پرویز طاہر، نبیلہ فیروز، تنویر جہاں، محترمہ امبر اور محترمہ انیتہ شامل تھیں۔

ریفرنس کے آغاز میں محترم حارث خلیق نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ انسانی حقوق، صحافت اور اظہارِ رائے کے پیکر کو یاد کرنا ہماری ذمہ داری تھی۔ ہمارے بہت ہی پیارے آئی اے رحمان صاحب پرسوں وفات پا گئے۔ اُن کی رحلت کا خسارہ ناقابلِ تلافی ہے۔ اُن کی وفات سے انسانی حقوق، پسے ہوئے اور غیر محفوظ طبقوں جیسے کہ عورتوں، بچوں، غیر مسلموں اور مزدوروں کے حقوق کی تحریک کو بہت بڑا دھچکا لگا ہے۔

محترمہ حنا جیلانی نے کہا کہ ہم آج اُس شخصیت کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے اکٹھا ہوئے ہیں جو یہاں موجود ہر ایک فرد کے لیے دلعزیز تھی۔ وہ اتنی بڑی شخصیت تھی کہ اُن کی وفات سے پہنچنے والے خسارے کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ موجود نہیں ہیں۔ ہمیں اُن کی خوبیوں اور اچھائیوں کا ذکر کر کے اِس تقریب کو یادگار بنانا ہے۔ رحمان صاحب کئی عشروں سے ہم سب کی زندگی کا حصہ تھے۔ ہماری ذاتی زندگیوں کے لیے بھی اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے لیے بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ میں یہاں ایچ آر سی پی کے تمام کنبے کے ایماء پر گفتگو کر رہی ہوں۔ میرے خیال میں ہم سب اُنہیں کبھی نہیں بھول پائیں گے۔ اُن کے ساتھ ہماری وابستگی اتنی پرانی ہے اور یادیں اور تجربات اتنے زیادہ ہیں کہ اُن کا ذکر کرنے کے لیے بہت سارا وقت درکار ہے۔

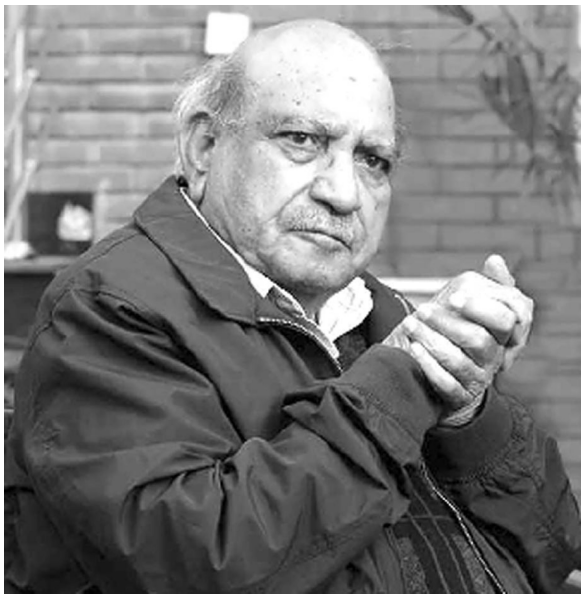

اُن کے ساتھ میری وابستگی بہت پرانی ہے۔ یہ اُس وقت سے ہے جب میں نے ویمن ایکشن فورم کے پلیٹ فارم سے کام شروع کیا تھا۔ اور ہم ویو پوائنٹ کے دفتر میں اُن سے مشاورت کے لیے گئے تھے۔

ہم انہیں یہ بتاتے ہوئے بڑے پرجوش تھے کہ ہم نے کس طرح کی منصوبہ بندی کی ہوئی ہے، کس طرح ضیاء الحق کی آمریت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور یہ جان کر اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا تھا کہ ملک کی عورتیں سرگرم ہو گئی ہیں۔ اور پھر اپنی صحافتی زندگی کے لگ بھگ پینتیس برس بعد، جب وہ صحافت سے ریٹائر ہوئے تو ہم نے، خاص طور پر، میں نے اور عاصمہ نے سوچا کہ رحمان صاحب ہی ایسے بااعتماد اور باوقار شخص ہیں جن کو یہ ادارہ سونپا جا سکتا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ادارے کے لیے ہماری توقع سے بڑھ کر قابلِ اعتبار اور موزوں ثابت ہوئے۔ جس انتہا کا وقار، عزم تھا ان میں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کرہ ارض پر ہر موضوع پر جتنا وسیع علم تھا اُن کے پاس تھا اس کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ان کی طرح کا شخص ہمیں کبھی نہیں مل سکتا تھا۔ صرف انسانی حقوق ہیں نہیں، بلکہ صحافت، ساؤتھ ایشیا پیس فورم، سب کو رحمان صاحب نے اپنی قوّت اور حکمت سے سنبھالا دیا۔ میں نے جب کبھی کوئی متنازعہ چیز کی اور پھر اُن کے پاس گئی اور اعتراف کیا تو انہوں نے کہا کہ "اوکے، مگر اب اُس سے آگے بڑھو"۔ جسے میں سب سے زیادہ یاد کروں گی وہ ایکٹوازم کے بارے میں اُن کی رہنمائی تھی۔ وہ ایکٹوازم کے متعلق صرف جذبے اور عزم سے ہی سروکار نہیں رکھتے تھے بلکہ اس معاملے میں باشعور فیصلہ سازی اور حکمت عملی پر بہت زور دیتے تھے۔ میں ایسا انسان نہیں ہوں جو کسی کے چلے جانے سے خلاء پر یقین رکھتا ہو، میں اس بات پر یقین نہیں رکھ سکتی کہ کسی فرد کے جانے سے کوئی خلا پیدا ہو جاتا ہے مگر اب میرا دل کہتا ہے کہ خلا پیدا ہو گیا ہے۔ ہم اُس مشن کو اس طرح سے آگے نہیں لے جا سکیں گے جس طریقے سے رحمان صاحب اسے آگے لے جانے کی قابلیت رکھتے تھے۔

نامور صحافی احمد رشید نے رحمان صاحب کی عمر بھر کی جدوجہد کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ احمد رشید کے بقول اِس نظم کا مقصد لوگوں کو یہ یاد دلانا ہے کہ رحمان صاحب انسانی حقوق کے میدان میں آنے سے پہلے ایک مارکسی اور انقلابی تھے جنہوں نے بائیں بازو کے طالب علموں اور کارکنان کی نسلوں کو متاثر کیا۔ ڈاکٹر مہدی حسن کا کہنا تھا کہ رحمان صاحب سے اُن کا پچاس سال سے زائد کا تعلق تھا اور ہیومن رائٹس کمیشن میں وہ ہی انہیں لے کر آئے تھے۔ جانا تو سب کو ہے، مگر ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ جو جاتا ہے وہ اپنی جگہ خالی چھوڑ جاتا ہے۔ اس کا خلاء پیدا ہو جاتا ہے۔ پاکستان کا نظام ایسا نہیں ہے کہ جو پرانے نظام کے لوگ

ہیں اُن کے جانے کے بعد اُن کی جگہ پوری ہو سکے۔ یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہمیں درپیش ہے۔ رحمان صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ میں نے ان کو کبھی مایوس نہیں دیکھا۔ برے سے برے حالات میں بھی، سخت حالات میں بھی، میں نے اُن کو ہمیشہ پُر امید دیکھا۔ اور وہ ہمیشہ جدوجہد میں یقین رکھتے تھے، مایوس کبھی نہیں ہوتے تھے۔ ان کے جانے سے محروم طبقوں کی ایک مؤثر آواز بند ہوگئی ہے۔ یہ کمی پوری ہونی بہت مشکل ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ان کے بتائے ہوئے راستے پہ چلتے رہیں۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے بیکن ہاؤس یونیورسٹی کے وائس چانسلر سرتاج عزیز صاحب کا تعزیتی پیغام بھی پہنچایا۔

ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ممتاز صحافی تپن بوس نے غمزدہ حالت میں کہا کہ اس مرحلے پر کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ محترم بوس نے مزید کہا کہ ایمانداری کی بات ہے کہ وہ ابھی تک اِس سوچ کو برداشت نہیں کر پا رہا کہ رحمان صاحب اس دنیا میں موجود نہیں رہے۔ میں اُنہیں 35 برسوں سے جانتا ہوں۔ وہ دہلی میں ذرائع ابلاغ کے ایک اجلاس میں شریک ہونے کے لیے آئے تھے تو اُس دوران ایک دن وہ میرے گھر آئے اور اُس دن سے ہماری دوستی اور ساتھ قائم ہے۔ ہم دونوں مارکسسٹ تھے، ایک ہی قسم کے سیاسی نظریے پر یقین رکھتے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے ذاتی تعلق کو کبھی نہیں بھول پائے۔ جب کبھی بھی وہ دہلی آئے، وہ اپنے ساتھیوں سے ملنے کے لیے ان کے پاس جاتے۔ وہ اپنی جائے پیدائش پر جاتے اور اپنے گھر بھی جاتے جسے تقسیمِ ہند کے فساد میں آگ لگائی گئی اور تباہ کر دیا گیا اور ان کے کئی رشتہ داروں کو قتل کر دیا گیا تھا مگر رحمان صاحب کے دل میں کسی قسم کی رنجش یا غصّہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے برعکس، وہ کہتے تھے، "تپن جی، جن لوگوں نے اس وقوعے میں حصہ لیا تھا، وہ جانتے تھے کہ وہ پاگل ہیں، اور وہ اُس وقت اپنے پاگل پن کی گرفت میں آ گئے تھے۔" وہ اس قسم کا انسان تھے جو ہر وقت ہر کسی کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ انہوں نے ہر اُس انسان کی مدد کی جس کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی اور وہ اُن کے پاس مدد کے لیے آیا۔ اپنے صحافتی دور میں وہ جیل گئے اور پاکستان کی تمام نامور شخصیات کے وہ بہت قریب تھے جن میں مظہر علی خان بھی شامل تھے۔ وہ مظہر علی خان کے رسالے کے چیف ایڈیٹر تھے۔ میں بس یہی کہنا چاہوں گا کہ ان کا چھوڑا ہوا خلاء کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔

ڈیوڈ بیچ نے کہا کہ رحمان صاحب انتہائی اچھے مضامین رقم کر رہے تھے۔ بطورِ صحافی اُن کی مہارتیں بہت اعلیٰ سطح کی تھیں۔ رحمان صاحب لوگوں کے لیے تحریک کا سبب تھے اور ملنے والوں کو ہمہ وقت خوش آمدید کہنے کے لیے آمادہ نظر آتے تھے، اُن میں بُدھا جیسا مزاج پایا جاتا تھا۔ لوگوں کو اُن سے سیکھنے کو بہت کچھ ملتا تھا۔ میں اُن کے وسیع مطالعے سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ دیگر تمام ضروری مصروفیات کے باوجود وہ مطالعے کے لیے ضرور وقت نکالتے تھے، یہاں تک کہ مجھے بھی اس معاملے میں رہنمائی دیتے تھے کہ کونسی کتب پڑھنی چاہیے اور ریویو بھی لکھتے تھے۔ جب وہ ہیومن رائٹس کمیشن کا حصہ بنے، میرے خیال میں یہ اُن کے لیے بالکل قدرتی پیش رفت تھی کیونکہ بطورِ صحافی وہ لازماً اقتدار کے ایوانوں کو جوابدہ ٹھہرانے کی کوشش کرتے تھے۔ انہوں نے کمیشن کا حصہ بننے کا فیصلہ کیا جبکہ عزیز صدیقی بھی وہیں موجود تھے، اور پھر انہوں نے طاقتور حلقوں کو انسانی حقوق کے نامور ادارے کے سامنے جوابدہ ٹھہرانے کی ٹھان لی۔ آخری دفعہ اُن سے لندن میں ملاقات ہوئی جب کچھ برس قبل وہ یہاں آئے تھے۔ مجھے ان کی موت کا بہت دُکھ ہے۔ اگر ان کی میراث کی بات کی جائے تو اُنہوں نے اپنی عظمت، دانش، عزم اور راست بازی سے بے شمار لوگوں کو متاثر کیا، انہوں نے بے شمار لوگوں کو تعلیم و تربیت دی، اور وہ اپنی ان خوبیوں، اعلیٰ نظریات اور بے مثال وقار کی بدولت ہمیشہ زندہ و جاوید رہیں گے۔

ممتاز آرٹسٹ اور ماہرِ تعلیم سلیمہ ہاشمی نے ماضی کے جھروکے میں جھانکتے ہوئے بتایا کہ 20 نومبر 1984 کو رحمان صاحب نے میرا چہرہ جب میو ہسپتال کے کمرے کے باہر دیکھا تو بھرائی آواز میں بولے، "ہم ان کے بغیر کیسے جئیں گے؟" 12 اپریل 2021 کو ان کے جانے کی خبر سنی تو یہی جملہ میں نے اپنے آپ سے دہرایا۔ "ہم ان کے بغیر کیسے جئیں گے؟"۔ ان کے بنا زندگی کیسے کٹے گی۔ یہ سب دائیں بائیں کا انتشار۔ یہ آئے دن کے تضادات۔ یہ سب کچھ جو ہمارے حصے میں آیا ہے، وہ اپنی دھیمی آواز میں ہمارے لیے کون سلجھائے گا۔ کون اس کے طور طریقے سمجھائے گا۔ وہ ان کی ہر سمت بدلتے حالات پر گہری نظر۔ وہ ان کا سب انسانوں، عورتوں اور بچوں کے کرب بھری زندگی کا احساس، اپنے ملک کی حالتِ زار اور عوام کی مصیبتوں کا غم اور پڑوس کے ملک کے لوگوں کا بھی دکھ۔ وسیع النظری تو تھی ہی، لیکن پھر ہر کسی کی ذاتی زندگی کا بھی پتہ رکھنا۔ کتنا بڑا دل جو ہر ایک کے سر کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ کتنی مرتبہ انہوں نے کڑے وقت میں مجھے ایک ہی جملے میں دلاسہ دیا کہ ایک لمحے میں زندگی آسان ہوگئی۔ اور دل کا بوجھ یوں ہلکا ہوا جیسے کبھی کچھ تھا ہی نہیں۔ اور پھر کتنے غیر روایتی طریقے سے انہوں نے ایسے مزاح کا کوئی پہلو ڈھونڈا کہ ذہن اور دل دونوں کو غذا مل گئی۔ کتنے لوگوں کی ذہن تراشی کی انہوں نے۔ لوگوں کو سوچنا اور سمجھنا سکھایا۔ علم اور تجربہ۔ ایسا پھیلاؤ کہ تاریخ سے لے کے فلم تک اور پھر صرف معلومات نہیں، اس کی حد تک نہیں۔ تجزیہ یوں کہ ان کے اندر سے اُمڈتا چلا آتا تھا۔ ذخیرہ ختم ہونے کو ہی نہیں آتا تھا۔ ہم بھی اسی زندگی میں، اسی دنیا میں رہتے ہیں۔ یہیں کے باشندے ہیں۔ ہماری بس چھوٹی چھوٹی سی خودغرضیاں ہیں، ناراضگیاں ہیں، دوریاں ہیں، جو زندگی کو کڑوا کر دیتی ہیں۔ رحمان صاحب کو مسیحائی کا گر آتا تھا۔ کتنی خندہ پیشانی سے لوگوں کی مجبوریاں سمجھتے ہوئے سیاست سے لے کے فنونِ لطیفہ تک وہ نسل در نسل ایسی انکساری سے راہیں اُجاگر کرتے تھے کہ خود بخود اُن کے پیچھے قدم اُٹھنے لگتے تھے۔ اور اتنی آسانی سے؟ اتنی آسانی سے پھر شکریہ ادا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں نے سوچا کہ اُن کے کامریڈ فیض نے جو اپنے دونوں کے کامریڈ اسحاق کے لیے نظم لکھی تھی، اُس میں سے میں دو تین شعر آپ کے لیے پڑھ لوں۔

لو تم بھی گئے ہم نے تو سمجھا تھا کہ تم نے
باندھا تھا کوئی یاروں سے پیمانِ وفا اور
یہ عہد کہ تا عمر رواں ساتھ رہوگے
رستے میں بچھڑ جائیں گے جب اہلِ صفا اور
ہم سمجھے تھے صیاد کا ترکش ہوا خالی
باقی تھا مگر اس میں ابھی تیر قضا اور
آنے میں تامُل تھا اگر روزِ جزا کو
اچھا تھا ٹھہر جاتے اگر تم بھی ذرا اور

محترمہ انیتہ نے کہا کہ آئی اے رحمان غیر معمولی طور پر متاثر کن شخصیت تھیں جنہوں نے بیرونی دنیا کو پاکستان سے روشناس کروایا۔ اُنہیں پاکستان کا حقیقی چہرہ دیکھنے میں مدد فراہم کی۔ کمال حسین نے رحمان صاحب کی جدوجہد کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ وہ جنوبی ایشیا میں امن کی تحریک کی بنیاد رکھنے والوں میں شامل تھے۔ ہم اُنہیں بھولنے کے کبھی بھی متحمل نہیں ہو سکتے۔ آج اُن کی وفات کے صدمے کو برداشت کرنا ہمارے لیے نہایت مشکل ہے۔ رحمان صاحب نے اِس خطے میں انسانی حقوق کی منظّم و مربوط تحریک کی بنیاد رکھی۔ ہماری خواہش ہے کہ ان کے کام کو جاری رکھ کر اور انسانی حقوق کی تحریک میں نوجوان نسل کو شامل کر کے ہم رحمان صاحب کی جدوجہد کو ہمیشہ یاد رکھیں۔

حمیدہ حسین نے رحمان صاحب کی جدوجہد پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ رحمان صاحب پاکستانی ہونے کے ساتھ ساتھ جنوبی ایشیا کے شہری بھی تھے۔ اُنہوں نے پورے جنوبی ایشیا میں انسانی حقوق کے تحفظ کی تحریک چلائی۔ وہ ساؤتھ ایشینز فار ہیومن رائٹس میں بہت زیادہ متحرک تھے۔ "بلاشبہ، ہم انہیں کبھی بھول نہیں پائیں گے کیونکہ اُن کے پاس

قیادت کی نایاب خوبیاں تھیں۔مگران کی ذات کے حوالے جو سب سے نمایاں بات ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے وہ لوگ چھوڑے ہیں جو اُن کے نقشِ قدم پر چلیں گے، ان کی اقدار اور کام کے طریقہ کار کو احترام بخشیں گے۔ہم سب انہیں یاد کریں گے مگر ہم ان کی مثال کی تقلید کرنے کی کوشش بھی کریں گے۔"،حمیدہ حسین نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا۔

قومی کمیشن برائے حقوقِ نسواں کی سابق چیئر خاور ممتاز کا کہنا تھا کہ لاہور میں رہنے والے ہر ایک شخص کو پتہ تھا کہ رحمان صاحب کون تھے۔مگر مجھے اُن کی ذات کو سمجھنے کا موقع اُس وقت ملا جب میں نے کوئی دو، تین برس ویو پوائنٹ میں اُن کی زیرِ نگرانی کام کیا۔ مجھے نہیں علم تھا کہ صحافت کیسے کرنی ہے، مگر انہوں نے حقیقی معنوں میں میری رہنمائی کی۔ان کا کمرہ ہر کسی کے لیے کھلا رہتا تھا۔وہ ضیاء کی آمریت کا درمیانی دور تھا۔ میں یونیورسٹی میں تدریس کا کام چھوڑ چکی تھی کیونکہ اب یونیورسٹی میرے خیالات کو برداشت نہیں کر رہی تھی۔اور میں نے ویو پوائنٹ میں ملازمت شروع کر دی۔ وہاں خاص طور پر رحمان صاحب کے زیرِ سایہ مجھے بہت کچھ سیکھنے اور دیکھنے کو ملا۔ جو لوگ وہاں آتے تھے وہ انتہائی شاندار تھے۔ میں نے ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کو رحمان صاحب کے دفتر میں بیٹھے دیکھا کیونکہ عاصمہ آئیں اور انہوں نے کہا کہ ہیومن رائٹس کمیشن کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ لہٰذا، پاکستان میں انسانی حقوق کی تحریک کی تاریخ کا ذکر آئے گا تو رحمان صاحب اس کا مرکزی کردار ہوں گے۔ ہم انہیں یاد کریں گے، ان کے علم، ان کی حکمت، ان کے مزاح، ان کی مذاق کرنے کی صلاحیت اور رہنمائی کرنے کی استعداد۔ان کی تقریباً تمام موضوعات، اور چیزوں میں دلچسپی ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ میرا بیٹا جو اُس وقت چار برس کا تھا، جب میرے شوہر مجھے لینے کے لیے آتے اور بیٹا ان کے ہمراہ ہوتا تو رحمان صاحب اُسے ٹھپکی دیتے، ان سے دو، چار جملے بولتے۔ رحمان صاحب کنزویشن سوسائٹی لاہور کے رُکن تھے۔ان کی دلچسپی بہت وسیع تھی۔ میں اب بھی کام کے دوران ان کے کاموں کو حوالے کے طور پر استعمال کرتی ہوں، خاص طور پر جناح پر ان کی کتاب ''جناح، بطور پارلیمنٹیرین'' کو۔

کامل خان ممتاز نے اپنے دیرینہ دوست کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ رحمان صاحب استحکام، استقامت، اور انسانیت کا ستون تھے۔ان کا چلے جانا بہت بڑا خسارہ ہے۔

حارث خلیق نے پروفیسر امین مغل کو گفتگو کے لیے مدعو کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے پاکستان سے باہر خاص طور پر لندن میں رحمان صاحب کے ساتھ گزری شامیں بہت یاد آتی ہیں۔ اور ہماری خوش قسمتی کی بدولت، اس شہر میں رحمان صاحب کے سب سے پیارے ساتھی پروفیسر امین مغل بھی موجود ہوتے تھے۔"

پروفیسر امین مغل نے کہا کہ بڑے بھٹو صاحب کے دور میں ایک انقلابی قدم یہ اٹھایا گیا کہ ایک فلمی ادارے کی بنیاد رکھی گئی۔فلم انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان کی بہت سی شاخیں تھیں۔لاہور، اسلام آباد، کراچی اور شاید ملتان میں کسی اور شہر میں بھی تھیں۔ مجھے کم از کم پورے مغرب کی بہترین کلاسیکی فلمیں دیکھنے کا موقع ملا اور میری طرح اور لوگوں کو بھی۔اور اس میں بڑی بات یہ ہے کہ اس کے روحِ رواں آئی اے رحمان تھے جو فلم انسٹی ٹیوٹ کے تحت ایک رسالے کے مدیر چنے گئے۔ میں نے آج تک پاکستان میں فلم انڈسٹری میں اس بہتر جریدہ نہیں دیکھا۔

کینیڈا سے تعلق رکھنے والے جان سٹاک ہاؤس نے کہا کہ وہ 1990 کی دہائی میں دہلی میں ایک صحافی کے طور پر کام کر رہا تھا۔اور اُس دوران پاکستان میں بھی آنا جانا رہتا تھا اور جب کبھی بھی اسے وقت ملتا میں رحمان صاحب سے ملاقات ضرور کرتا۔ وہ صحافیوں کے لیے رہنماء اور استاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے کینیڈا دورے کے دوران انسانی حقوق پر تقاریر کیں اور کینیڈا کے شہریوں کو انسانی حقوق کے حوالے سے درپیش مسائل و مشکلات سمجھنے میں کافی مدد کی۔ وہ پاکستان کے سفیر ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کے بہترین سفیر تھے، اور انہوں نے ہمیشہ انسانی حقوق اور جمہوریت کا پرچار کیا جس کی وجہ سے کینیڈا کے صحافتی اور سول سوسائٹی کے حلقوں میں ان کے لیے بہت زیادہ احترام پایا جاتا ہے۔انہوں نے ہمیں 1990 کی دہائی کے دوران پاکستان کے حالات و واقعات اور مسائل سے باخبر رکھنے میں بھی بہت زیادہ مدد فراہم کی۔ ہم کوشش کریں گے کہ اُن کے مشن پر کاربند رہیں۔

نامور صحافی اور ایچ آر سی پی کی کونسل کے رکن حسین نقی نے رحمان صاحب کی صفات کا تذکرہ کرتے کہا کہ پاکستان میں مارکسستوں کے لیے جو دو تین صفات متعین کی گئی تھیں، رحمان صاحب ان تینوں پہ پورا اترتے تھے۔ایک تو یہ تھی کہ اگر آپ مارکسی ہیں تو جو بھی کام آپ کرتے ہیں آپ کو اس میں انتہائی مہارت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ دوسری یہ کہ عاجزی و انکساری سے کروتا کہ دوسرے لوگ آپ کی طرف مائل ہوں اور اُنہیں نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تیسری یہ کہ دوسروں کی مدد کے لیے کمر بستہ رہیں۔ رحمان صاحب نے اپنی قوم، اپنے ملک، اپنے عزیز و اقارب، اور اپنے شناساؤں کی مدد کی ہر ممکن کوشش کی۔ اُن کی زندگی ہمارے لیے قابلِ تقلید ہے۔ انسانی حقوق، جمہوریت، صحافت، اظہار کی آزادی کے لیے ان کی کاوشیں ناقابلِ فراموش ہیں۔انہوں نے ہیومن رائٹس کمیشن کو جہاں تک پہنچا دیا، میں سمجھتا ہوں یہ صرف وہی کر سکتے تھے، ان ہی کی استعداد تھی۔اور آج ہیومن رائٹس کمیشن جو کچھ بھی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ آئی اے رحمان کی بدولت ہی ہے۔اور لوگوں کی بھی بہت سی خدمات ہیں۔ ہمارے نامہ نگاروں کا گروپ ہے، ہمارے چھ شہید ہیں جن میں سے تین کا تعلق سابق قبائلی علاقہ جات سے ہے مگر رحمان صاحب کی خدمات منفرد اور مثالی ہیں۔

مارٹن لاؤ کا کہنا تھا کہ ایک خاص بات جو میں رحمان صاحب کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قانونی معاملات پر اُنہیں خاص مہارت حاصل تھی۔ روزنامہ ڈان پر چھپنے والے اُن کے مضامین میں قانونی معاملات و مسائل کا بہت اچھا تجزیہ نظر آتا تھا۔ وہ ملک کے قانونی معاملات کے نہ صرف اچھے تبصرہ نگار تھے بلکہ قانونی پیش رفتوں کے متحرک بھی تھے۔

سول سوسائٹی کے ممتاز کارکن اور معروف قانون دان ڈاکٹر پرویز حسن نے کہا کہ لاہور میں گذشتہ پانچ دہائیوں میں بطورِ وکیل کام کے عرصہ کے دوران، ایسے چند ہی لوگ ہیں جنہوں نے میرے کام کی سمت کا تعین کرنے کے حوالے سے مجھ پر اثر انداز ہوئے۔ رحمان صاحب نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ میں ایچ آر سی پی کی بنیاد رکھنے والے اجلاسوں میں شریک رہا ہوں۔ رحمان صاحب کی ذات کے جس پہلو پہ زیادہ بات نہیں ہو رہی وہ یہ ہے کہ وہ ماحولیات کے معاملات و مسائل پر خاص نظر رکھتے تھے۔ ہم نے شروع شروع میں پاکستان فورم آف انوائرمینٹل جرنلسٹس بنایا تھا۔ اس میں میرے خیال میں نقی صاحب، رحمان صاحب، منو بھائی، عباس رشید بھی تھے۔ میں نے کوشش کی تھی کہ ملک کے بہت سے معزز لوگوں کو اس مشن کا حصہ بناؤں۔ اور رحمان کی شمولیت کے ذریعے میں نے اپنے مقصد کو سب سے بڑی جائز حیثیت دلوائی۔ مجھے یاد ہے کہ میں ان سب کو ایک دو کوسٹرز پہ قصور لے گیا نیٹریز پر، اور اُس سے پہلے پاکستان کا کوئی اخبار ماحولیاتی تحفظ پہ بات نہیں کرتا تھا۔رحمان صاحب ہمارے ساتھ تھے اور انہوں نے وہاں ماحولیاتی تنزلی کے منظر کو پاکستان ٹائمز کے پہلے صفحے پہ چھاپا۔خواجہ ظہیر الدین صاحب نے ایک کنزرویشن سوسائٹی بنائی تھی۔ کامل ممتاز، اعجاز انور، نئیر علی دادا اور میں بھی اس کا حصہ تھا۔ رحمان صاحب کی گرمجوشی، انکساری، اخلاص، اور عزم نے اُنہیں ممتاز حیثیت سے نوازا ہے۔ میری تجویز ہے کہ اسے ایک سالانہ تقریب بنائیں اور ہر برس اُن کی یاد میں اکٹھا ہوں۔ میرے خیال میں اگر رحمان صاحب کی میراث آگے

بڑھتی ہے تو یہ چراغ جلتا رہے گا۔

ایچ آر سی پی کی سابق چئیر پرسن زہرہ یوسف کا کہنا تھا کہ رحمان صاحب کی شخصیت کے اتنے زیادہ پہلو ہیں کہ ان کا کسی ایک تقریب یا تعزیتی مضمون میں احاطہ نہیں ہوسکتا۔ ''مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ رحمان صاحب نے اپنی سوانح حیات کے کچھ ابواب مجھے دکھائے تھے اور اب ایچ آر سی پی اُن کی سوانح حیات کی اشاعت کو یقینی بنائے گا۔ وہ یادداشتیں ان کے تمام دوستوں، عزیزوں، مداحین اور ان سے محبت کرنے والوں کے پاس ہونی چاہییں، پوری دنیا میں''، محترمہ یوسف کا مزید کہنا تھا۔

سابق سینیٹر افراسیاب خٹک کا کہنا تھا کہ وہ 60 کی دہائی کے اواخر اور 70 کی دہائی کے اوائل میں ایک نوجوان سیاسی کارکن ہونے کے ناطے رحمان صاحب کا مداح تھا مگر مجھے ان سے ذاتی طور پر شناسائی کا موقع اس وقت ملا حب میں جنوری 1989 میں سیاسی جلاوطنی سے واپس آیا اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کا حصہ بنا تھا۔ ان کی ساکھ اور قبولیت ملک کے تمام حصوں میں تھی۔ چترال سے لے کر بلوچستان تک جہاں حکومت کے لیے تلخیاں پائی جاتی ہیں، وہاں بھی رحمان کی آواز کو سب سنتے اور قبول کرتے تھے۔ وہ اپنے عزم، ہمت، اخلاص، علم اور وقار کی بدولت رحمان صاحب بنے تھے۔ نما لکا فرنینڈو نے رحمان صاحب کی وفات پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انکی رحلت سے جو نقصان ہوا ہے وہ ہمارا ذاتی نقصان بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ انسانی حقوق کی تحریک میں وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے۔ ان کے بغیر اپنا کام جاری رکھنا بہت مشکل محسوس ہو رہا ہے۔ سری لنکا میں ہماری مشکلات کے دوران ہمیں ان کا ساتھ میسر رہا۔ ان کا انتقال ہم، سری لنکا والوں بلکہ پورے جنوبی ایشیا کے باشندوں کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے۔

ڈکشیا سنگھے نے رحمان صاحب کیساتھ گزرے وقت کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ لگ بھگ پانچ برس قبل انہیں کولمبو کے لیے مدعو کیا۔ مدعو کرنے سے پہلے میں نے ان سے پوچھا کہ "محترم رحمان، کیا آپ سفر کر سکیں گے؟" انہوں نے جواب دیا، "کیوں نہیں، کس نے آپ سے کہا ہے کہ میں سفر نہیں کر سکتا۔ کونسی چیز مجھے آنے سے روک رہی ہے۔" یہ بتانے کا مقصد یہ تھا کہ جنوبی ایشیا میں انسانی حقوق کے کام کے لیے اُن میں غیر معمولی قوت تھی۔ بطورِ نوجوان میرا انہیں خیال کہ ہم میں وہ قوّت ہے۔ جب ہم نے انہیں جنوبی ایشیا کے پینل میں اے جے کانفرنس میں اظہارِ خیال کرنے کو کہا تو ہم نے گفتگو کا عنوان علاقائی یکجہتی کی واگزاری رکھا۔ وہ اظہارِ خیال کرنے کے بعد میری طرف آئے اور کہا، "ڈکشیا، پریشان نہ ہوں، ہم جنوبی ایشیا واپس لے لیں گے۔" ہم یقیناً اُن کی کمی محسوس کریں گے اور ہم یقیناً اپنے لیے اُن کی حوصلہ افزائی اور طاقت کی کمی محسوس کریں گے۔

سینیٹر فرحت اللہ بابر کا کہنا تھا کہ رحمان صاحب کی ذات کا خاصہ ہے کہ اُن کے اردگرد، نزدیک و دور سب لوگوں میں سے ہر ایک محسوس کر رہا ہے کہ اُس کا رحمان صاحب کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا۔ یہی چیز اُن کی عظمت کا ثبوت ہے۔ اور لوگوں نے اُن کے الفاظ کو جو احترام دیا وہی اُن کی عظمت کی نشانی ہے۔ "مجھے یقین ہے کہ آج ہم سب اُن کی موت کا ماتم کر رہے ہیں، کل ہم اُن کی کمی محسوس کریں گے، پرسوں ہم اُن کی زندگی کا جشن منائیں گے، کیونکہ اُن کی زندگی کا جشن منانے کے لیے ہمارے پاس ان کا چھوڑا ہوا بہت کچھ ہے۔" ان کے ساتھ میرا ذاتی شناسائی 1987، 1988 میں شروع ہوئی جب وہ فرنٹیئر پوسٹ میں ہمارے لیے مضمون لکھتے تھے، اَشعر رحمان کے نام سے۔ اور پھر وہ شناسائی دوستی میں بدل گئی جو ان کی آخری سانس تک قائم رہی۔ جب وہ لکھتے تھے تو عزیز صدیقی مدیر تھے، اور ظفر اقبال مرزا اور دیگر مصنفین تھے۔ اور اُس وقت کی حکومت نے اخبار کو بند کرنے کی دھمکی دی تھی۔ اور ہمیں خدشہ تھا کہ ناشر اخبار شائع کرنے سے انکار کر دے گا۔ یہ رحمان صاحب ہی تھے جنھوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ مظہر علی خان سے بات کریں کہ اگر ناشر اخبار شائع کرنے سے انکار کر دے تو وہ ویو پوائنٹ کی پرنٹنگ پریس سے اس کی اشاعت کو یقینی بنانے میں مدد کریں۔ اور مظہر علی خان نے مدد کرنے کی حامی بھری۔ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کی بدولت رحمان صاحب کو یاد کیا جا سکتا ہے مگر اُنہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کا سب سے بہترین طریقہ اُن اقدار کو احترام بخشنا ہے جن کے لیے وہ ساری زندگی لڑتے رہے۔

پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے لیے کوشاں محترم پیٹر جیکب نے کہا کہ رحمان صاحب نے مثالی کردار کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ ایک عوامی دانشور تھے۔ وہ ہر کسی کے لیے دستیاب ہوتے تھے۔ "میں نے عاصمہ جہانگیر کی وفات پر تعزیت نامہ لکھا تھا، ڈاکٹر مبشّر حسن کی موت پر بھی تعزیت نامہ لکھا تھا مگر رحمان صاحب کی وفات پر اُن کی یادداشتوں کی ایک ضخیم کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ آخر میں کہنا چاہوں گے کہ "ہم وہ جدوجہد جاری رکھیں گے جس کی بنیاد رحمان صاحب نے رکھی تھی۔" معروف ماہرِ معیشت ڈاکٹر پرویز طاہر کا کہنا تھا کہ اُن کی رحمان صاحب سے پہلی ملاقات 1973 میں ہوئی تھی جب وہ پاکستان ٹائمز کی ٹیم کا حصہ بنا تھا۔ میرا بیٹا فیشن ڈیزائننگ میں ڈپلومہ کے ساتھ اِٹلی سے واپس آیا اور رحمان صاحب سے ملا۔ رحمان صاحب نے اُس کے ساتھ فیشن ڈیزائنگ پہ انتہائی دلچسپ گفتگو کی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا علم و مطالعہ بہت وسیع تھا۔ بینا سرور نے کہا کہ رحمان صاحب ایک انتہائی خاص قسم کے انسان تھے۔ اُن کی صفات کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور مزید بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اُن کی رحلت پر ہم سب نڈھال ہیں، مگر وہ صرف یہی کہیں گی کہ انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کا سب سے اچھا طریقہ اُن کی میراث کو آگے بڑھانا ہے۔

اختتامی کلمات ادا کرتے ہوئے ایچ آر سی پی کی چئیر پرسن حنا جیلانی نے کہا کہ ہم اُن مقاصد پر گفتگو جاری رکھیں گے جن کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کی اور ایسے موضوعات پر کانفرنسوں اور تقریبات کا سلسلہ جاری رکھیں گے جن پر اُنہوں نے کام کیا اور جو آج کے دور میں ہمارے لیے اہمیت کے حامل ہیں۔ اور میں یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ ہم نے جہدِ حق کا اگلا شمارہ رحمان صاحب کے لیے وقف کر دیا ہے۔ وہ رحلت فرما گئے ہیں اور میں نے کبھی بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ بوڑھے ہو رہے ہیں، اگرچہ اُن کی عمر بڑھ رہی تھی مگر اِس کے متعلق میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی موت ہمارے لیے بہت بڑا صدمہ ثابت ہوئی۔ نہ اُنہوں نے کبھی بڑھاپے کی علامات ظاہر کی تھیں۔ بعض اوقات ہم انہیُں تھوڑا آہستہ ہونے کو کہتے تھے کہ ان کی عمر اب ایسی نہیں کہ وہ اپنی پہلے والی رفتار سے کام کریں مگر وہ ہمارے مشوروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور مکمل توانائی کے ساتھ سرگرم عمل نظر آتے تھے۔ جیسا کہ سب نے کہا کہ وہ ہر جگہ نظر آتے تھے۔ ہم نے کئی لوگ کھوئے ہیں۔ ابھی چند دن پہلے ہم کامران عارف صاحب سے محروم ہوئے ہیں۔ ہمارے کئی ساتھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ کچھ بہت عرصہ پہلے اور کچھ حال ہی میں۔ ہم اُن کی خدمات کو کبھی نہیں بھولیں گے۔ ہم سب اکٹھے ہیں۔ یہی ہماری طاقت ہے اور ہم ایک دوسرے کو طاقت بخشتے ہیں اور اِسی طریقے سے ہم خلاء کو پُر کرتے ہیں۔

میں آپ سب کا، خاص طور پر جنوبی ایشیا، برطانیہ، امریکہ اور دیگر خطوں سے اپنے دوستوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے وقت نکالا اور ہمارے ساتھ بیٹھے۔

ابنِ عبدالرحمان (1930—2021)

زہرہ یوسف

یکم ستمبر 2020 کو آئی رحمان کی 90 ویں سالگرہ تھی۔ اگرچہ وہ لاہور میں تھے اور ہم میں سے زیادہ تر کراچی میں تھے، کووڈ کی وجہ سے گھروں میں بند، مگر چند ایک دوستوں نے محسوس کیا کہ یہ سالگرہ منانے کا ایک موقع ہے جسے ضائع نہیں ہونا چاہیے اور وہ ڈان کے سابق مدیر سلیم عاصمی کے گھر اکٹھا ہوئے جہاں سے ہم نے بذریعہ فون رحمان صاحب سے نیک تمناؤں کا اظہار کر کے اُنہیں حیران کیا۔ اِس قسم کی محبت تھی جس کا اظہار رحمان صاحب کے دوست اور ساتھی اُن سے کرتے تھے۔

گذشتہ برس، اکتوبر کے اوائل میں رحمان صاحب کی 90 ویں سالگرہ ایک بار پھر منائی گئی۔ اس بار ان کی موجودگی میں، سلیم عاصمی کے گھر جب وہ کراچی آئے تھے۔ یہ ہماری اُن سے آخری ملاقات تھی۔

12 اپریل کو اُن کی وفات پر دوستوں، انسانی حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں کی طرف سے فون کالز اور پیغامات کا تانتا بندھ گیا تھا، نہ صرف پاکستان سے بلکہ ہندوستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا سے بھی۔ اُن کی زندگی ایسی تھی جسے لوگوں نے منایا تھا۔ وہ اُنہیں جان کر فخر محسوس کرتے تھے۔ سوشل میڈیا ذاتی یادداشتوں اور کئی مواقع پر رحمان صاحب کے ساتھ لی گئی تصاویر سے بھر گیا تھا۔

رحمان صاحب کے کراچی کے دورے میرے لیے بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ جو چند شامیں وہ اُس شہر میں گزارتے، اُس دوران میں کوئی اور دعوت نامہ قبول نہ کرتی۔ ایک خاص معمول بن گیا تھا — جب وہ اپنے سیمنارز اور ورکشاپس سے فارغ ہوتے تو میرے گھر آ جاتے اور ہم ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سے متعلقہ معاملات پر گفتگو کرتے۔ رحمان صاحب میرے مقام کو "تھانہ" کہہ کر پکارتے تھے جہاں سے وہ چند قدم آگے عاصمی صاحب کے گھر چلے جاتے جسے وہ "مے خانہ" پکارا کرتے تھے۔

ایک مدیر، ایک دوست

ایچ آر سی پی کے علاوہ، میرا (دیگر بے شمار لوگوں کی طرح) رحمان صاحب کے ساتھ ذاتی لحاظ سے بھی بڑا قریبی تعلق قائم ہو گیا تھا۔ میرا اُن سے تب تعارف ہوا جب میں 1980 کی دہائی میں صحافت کے ساتھ وابستہ تھی اور اکثر لاہور جانا ہوتا تھا۔ ویو پوائنٹ اور بعد ازاں دی پاکستان ٹائمز

پہ اُنہیں ملنا لازم ہو گیا تھا۔ درحقیقت، میرے یادگار کھانوں میں سے ایک وہ تھا جو میں نے دی پاکستان ٹائمز اُن کے دفتر میں کھایا تھا۔ دال کی ایک تھالی جس میں ہڈی کا گودا تیر رہا تھا! بظاہر، ایک قریبی ریستوران کی کوئی خاص ڈش تھی۔

رحمان صاحب مجھے صحافی اور کارکن عزیز صدیقی کے گھر شام کے کھانوں پر بھی مدعو کرتے جہاں بڑے کھانے اور گفتگو کے ساتھ میری خاطر تواضع ہوتی۔ دونوں ٹیمپل روڈ پر ہمسائے تھے اور صدیقی صاحب کی وفات تک قریبی دوست اور پیشہ ور ساتھی رہے۔

رحمان صاحب کو 1988 میں برسرِ اقتدار آنے والی پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کی حکومت نے دی پاکستان ٹائمز کا مدیرِ اعلیٰ تعینات کیا۔ مدیر عزیز صدیقی تھے، اور دونوں نے سرکاری اخبار کو اعلیٰ سطح کی اختلافی آواز میں بدل ڈالا۔

1990 میں بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف ہوئی تو عاصمہ جہانگیر نے رحمان صاحب سے ایچ آر سی پی کا ڈائریکٹر بننے کی درخواست کی۔ اُنہوں نے عزیز صدیقی کو جوائنٹ ڈائریکٹر بننے پر بھی قائل کیا۔ درحقیقت، عاصمہ ہنستے ہوئے کہتی تھی کہ بی بی کی حکومت کی برطرفی کا ایک روشن پہلو بھی تھا کیونکہ اِس کے نتیجے میں رحمان صاحب اور صدیقی صاحب کو ایچ آر سی پی کے لیے کام کرنے کی آزادی ملی۔

اُن کی سخت محنت اور عزم کی پیروی کرنا مشکل کام ہے، یہاں تک کہ نوجوان لوگوں کے لیے بھی۔ اُن کی پیشہ ورانہ مہارت ان کی مرتب و تدوین شدہ رپورٹس بشمول سالانہ وفیکٹ فائنڈنگ رپورٹس سے عیاں تھا۔ ایک بھی غیر متعلقہ یا غیر ضروری لفظ نہیں ملے گا۔ نہ ہی پروف ریڈنگ کی کوئی غلطی۔

آئی اے رحمان، اور عزیز صدیقی، دونوں نے ایچ آر سی پی پر انمٹ اثرات مرتب کیے، اِس کی سمت متعین کرنے میں مدد کی اور پسے ہوئے طبقوں پر خصوصی توجہ کے ساتھ تمام شہریوں کی برابر حیثیت کو ادارے کا دائمی نصب العین بنانے میں بھی مدد فراہم کی۔

ایک اعلیٰ پائے کے دانشور رحمان صاحب، حیدرآباد میں جبری مزدوروں کے اہلِ خانہ کے ساتھ یا کوئٹہ میں جبری گمشدگیوں کے احتجاجی دھرنوں میں بھی بڑے بے تکلف انداز میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی موجودگی نے انسانی حقوق کی تحریک میں شامل کئی لوگوں کو حوصلہ دیا جو اُنہیں انسانی حقوق کی کسی خاص تنظیم کے سربراہ کی بجائے ایک پائیدار اتحادی کے طور پر دیکھتے تھے۔

رحمان صاحب نے بھرپور زندگی جی ہے

آئی اے رحمان نے بھرپور زندگی بسر کی ہے۔ اپنے مقاصد کے علاوہ، دوستیاں اور سفر بھی ان کے لیے توانائی کا ذریعہ بنے رہے۔ وہ سفر کے موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے چاہے وہ مادی آسائشوں سے دور ملک کے کسی دور دراز علاقے کا سفر ہی کیوں نہ ہوتا۔

چند برس قبل، اُنہوں نے کراچی لٹریچر فیسٹیول (کے ایل ایف) میں شرکت کے لیے بذریعہ گاڑی لاہور سے کراچی کا سفر کیا۔ کراچی پہنچنے پر اُنہوں نے مجھے فون کال کی، اور میں نے اُس شام آرام کرنے اور اگلی صبح ملنے کا مشورہ دیا، مگر وہ تروتازہ ہوئے اور "تھانہ" پہنچ گئے اور پھر وہاں سے "مے خانہ"۔ اگر ویزا کے کوئی مسائل درپیش نہ ہوتے تو وہ ہر تعطیل پر دہلی کا دورہ کرتے اور وہاں اُن کے اتنے ہی دوست تھے جتنے لاہور میں تھے۔

میں نے اُن کے ساتھ کئی یادگار سفر کیے ہیں۔ 1997 میں، جرمن ادارے، فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کی دعوت پر، جنوبی ایشیا سے انسانی حقوق کے متعدد دفاع کاروں نے جرمنی اور بلجیم کا دورہ کیا۔ برلن میں، رحمان صاحب مجھے ملک کے مشرقی حصے میں مقیم اپنے ایک دوست کے پاس لے گئے۔ فنِ تعمیر کے لحاظ سے شاندار شہر کا پیدل سفر جس دوران رحمان صاحب اور اُن کے دوست نے شہر کی تاریخ پر سیر حاصل گفتگو

کی، ایسی یادیں ہیں جو میرے ذہن میں نقش ہو چکی ہیں۔ جب ہم 1999 میں عاصمہ جہانگیر اور ایچ آر سی پی کو دیا جانے والا کنگ بعودوِن فاؤنڈیشن ایوارڈ لینے برسلز گئے تو انسانی حقوق کے دفاع کار اور صحافی ہمارے گروپ میں جس شخص کی طرف سب سے زیادہ راغب تھے وہ رحمان صاحب ہی تھے۔ عاصمہ ہمیں ایک دن کے لیے سیدھا برگز لے گئیں جہاں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا، چوک میں رقص کیا اور آرام کیا، اپنی دیگر مصروفیات ومسائل کے جھنجٹوں سے کوسوں دور۔

2011 میں ایچ آر سی پی کونسل کے انتخابات قریب آ رہے تھے اور نئے چیئر پرسن کا انتخاب ہونا تھا کہ عاصمہ نے مجھے انتخاب لڑنے کے لیے کہا۔ عوامی نگاہوں سے دور رہنے کی تمنا کے ساتھ، میں چیئر پرسن کا امیدوار بننے سے گریزاں تھی۔ عاصمہ اور رحمان صاحب کی اِس یقین دہانی پر کہ وہ بوقت ضرورت میرے ساتھ کھڑے ہوں گے، میں انتخاب لڑنے پر متفق ہوئی۔ چھ سالہ مدت کٹھن اور مشکلات سے بھرپور تھی اور اُن کی مستقل مدد کے بغیر ان مشکلات پر کبھی قابو نہ پا سکتی۔

رحمان صاحب اور بلوچستان

پہلی مشکل اُس وقت پیش آئی جب ایچ آر سی پی کے کارکن صدیق عیدو، جنہیں دسمبر 2010 میں 'لاپتہ' کیا گیا تھا، کی اوڑماڑہ کے قریب نعش ملی۔ اُس کے فوری بعد، ہم ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن پر بلوچستان گئے جہاں توجہ کا مرکز جبری گمشدگیاں رہا۔

کچھ عرصہ بعد، بلوچستان لبریشن آرمی (بی ایل اے) نے چھ کان کُن اغواء کیے۔ رحمان صاحب نے اُن کی رہائی کے لیے بی ایل اے کو ایک عوامی خط لکھنے کا فیصلہ کیا۔ چونکہ ہر قسم کی خط وکتابت پر میرے دستخط ہونے ضروری تھے۔ میں کراچی میں رہ رہی تھی جبکہ ایچ آر سی پی سیکرٹریٹ لاہور میں تھا، لہٰذا رحمان صاحب کو میرے دستخط تیار کروانے کا اختیار حاصل تھا۔

بی ایل اے نے ایچ آر سی پی کے مطالبے پہ غصے کا اظہار کیا اور اگلے دن کوئٹہ سے شائع ہونے والے اخبارات میں، بی ایل اے کی طرف سے ایچ آر سی پی اور میرے لیے مذمتی بیان جاری ہوا۔ یہ بات قابلِ بیان ہے کہ اُن دنوں بلوچستان کے اخبارات علیحدگی پسندوں اور سیکیورٹی فورسز، دونوں کے دباؤ تلے کام کر رہے تھے۔

اُس کے فوری بعد، مجھے بی ایل اے کے نمائندے کی کال موصول ہوئی (سیٹلائٹ فون کے ذریعے) جس میں اُس نے کان کنوں کو ایچ آر سی پی کے حوالے کرنے کی پیشکش کی، اور کہا کہ وہ انہیں ایچ آر سی پی کے علاوہ کسی اور کے حوالے نہیں کریں گے۔ میں نے رحمان صاحب سے مشورہ کیا جنہوں نے ہدایت کی کہ بلوچستان کے لیے ایچ آر سی پی کے بلوچستان چیپٹر کے وائس چیئر پرسن کو کان کنوں کو لینا چاہیے مگر صحافیوں اور دیگر کارکنوں کی موجودگی میں۔ البتہ، انتظامات سے مطلع کرنے کے بعد، بی ایل اے نے اُنہیں اپنی مرضی کے کسی مقام پر چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

بلوچستان رحمان صاحب کے قلب کے قریب تھا۔ اُن کی ہدایت پر، بلوچستان پر تمام فیکٹ فائنڈنگ رپورٹیں طاقت کے مرکز اسلام آباد سے جاری ہوئیں۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ ہم نے محمد حنیف سے بلوچستان میں جبری گمشدگیوں پر کہانیاں لکھنے کی درخواست کی ہے تو ان کی خوشی کچ کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ بلوچ جو غائب نہیں اور دیگر جو غائب ہیں کی تقریبِ رونمائی کے ایل ایف میں ہوئی تھی جہاں رحمان صاحب مقررین میں شامل تھے۔

فروری 2018 میں کے ایل ایف کے موقع پر عاصمہ جہانگیر کی اچانک وفات نے صدمے اور غم سے دوچار کیا تھا۔ اگرچہ اپنی انتہائی پیاری اور قابلِ احترام شخصیت کی وفات کا سن کر وہ غم سے چور ہو گئے تھے مگر اس کے باوجود رحمان صاحب نے خود پر قابو پایا اور عاصمہ کے بارے میں مختصر گفتگو کی۔ اور شام ہوئی تو جب میں نے انہیں گلے لگایا تو اُس وقت ہی معلوم ہوا کہ میرے اپنے آنسو ٹپک رہے تھے۔

کھو جانے یا چلے جانے کا احساس شاید آخری ایام میں ہوا میں لٹک رہا تھا۔ کوویڈ سے متعلقہ مسائل کی وجہ سے کراچی نہ آ پانے کے باعث، وہ ہفتے میں ایک یا دو بار مجھے فون کال کرتے۔ فون پر عام طور پر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد، وہ ملکی معاملات پر مفصّل گفتگو کرتے اور اپنے قریبی دوستوں کی خیریت معلوم کرنا کبھی نہ بھولتے۔

رحمان صاحب اپنی گفتگو کے اختتام پر ہمیشہ یہ کہتے، "آپ اپنا خیال رکھیے گا"۔ آپ کے لیے، میرے پیارے دوست، میں ایسا کرنے کی کوشش کروں گی۔

مصنف انسانی حقوق کی کارکن اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی سابق چیئر پرسن ہیں۔
وہ @meranaam پر ٹویٹ کرتی ہیں۔

ابھی تو جاگنے کے دنوں نے آنا تھا

رحمان صاحب! جو کچھ آپ نے لکھا
اتنا تو اللہ میاں آپ کے فرشتے بھی
نہ لکھ سکے ہونگے
وہ تو لوگوں کے گناہ وثواب لکھتے ہیں
اور آپ انکی داستان لکھتے تھے
جنکو نہ قلم بردوستی صحافی لکھتے تھے
اور نہ مسجدوں میں خطبہ دینے والے
آپ کبھی کبھی خدا کی آواز بنکر
ہمارے نام کے مسلمان لوگوں اور ملکوں کو
عاقبت کا خوف نہیں دلاتے تھے
ان کی بدگوئی، بدفعلی اور بدحاکمیت کے
زھر ھلاہل کو اقبال کی طرح قند نہیں کہہ سکتے تھے
ساری عمر آپ کے ایک ہاتھ میں قلم
اور ایک ہاتھ میں ٹائپ رائٹر ہوتا تھا
درویش نہیں تھے، صوفی نہیں تھے
اس زمین کے انسان تھے
آپ ناپرلوں کے آنگنوں میں جھانکتے
مگر انکو رسوا نہ کرتے تھے
سورج کے پاتال میں اترنے کے باوجود
کبھی خورشید ہاتھ میں لے کر چلنے کی خواہش نہیں کی۔
دھول پیٹنے والوں کا ذکر بھی ناروا سمجھتے تھے۔
ابھی تو ہم دن بدلنے کی امید میں تھے
آپ نے اس کو بھی فریب سمجھا اور چلے گئے!

(کشور ناہید)

ایک اُستاد اور رہبر

بینا سرور

"قیدی جس کا حوصلہ پست نہیں ہوگا"، کی شہ سرخی کے ساتھ اُنہوں نے مارچ 1989 میں دی پاکستان ٹائمز میں میرا پہلا مضمون شائع کیا۔ آئی اے رحمان اور عزیز صدیقی مدیر تھے۔ ایک آزاد پیشہ ور صحافی کے طور پر، میں نے سابقہ سیاسی قیدیوں کے انٹرویوز کیے تھے اور جنرل ضیاء الحق کے فوجی دور کے دوران اُن پر کیے گئے تشدد کے متعلق لکھا تھا۔ میں نے ٹائپ شدہ صفحات رحمان صاحب کو دیے اور یہ توقع بالکل بھی نہیں کی تھی کہ ان کے لیے پورا ایک صفحہ مختص کر دیا جائے گا۔

آئی اے رحمان بے نظیر کے وزیرِ اعظم بننے کے فوری بعد دسمبر 1988 میں پاکستان ٹائمز (پی ٹی) کے مدیرِ اعلیٰ بنے تھے۔ جب وزیرِ اطلاعات جاوید جبار نے اُنہیں پی ٹی میں واپس آنے کی دعوت دی، اُس اخبار میں جسے انہوں نے 14 برس قبل چھوڑ دیا تھا تو رحمان صاحب نے اُنہیں کہا، 'ہم پی ٹی کو ایک آزاد روزنامے کے طور پر چلائیں گے نہ کہ کسی جماعت کے اخبار کے طور پر۔"

"یہی شرط تھی جس کی بنیاد پر میں عزیز صدیقی صاحب کو بطور مدیر اپنے ساتھ لانے پر قائل کر سکا تھا۔ اُنہوں نے اخبار کو اتنی آزادی کے ساتھ چلایا کہ ایک مرتبہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ پی ٹی حزبِ اختلاف کے اخبار کی طرح نظر آتا ہے۔ مگر اُنہوں (محترمہ) نے ہمیں برداشت کیا۔" اگست 1990 میں بے نظیر حکومت برطرف ہوئی تو عزیز صدیقی اور میں، دونوں نے محسوس کیا کہ اب کچھ وقت تک اظہار کی آزادی نہیں ہوگی۔ عزیز صاحب نے سسی فس کی حکایت کو یاد کرتے ہوئے ایک خوبصورت اداریہ لکھا جو ہم نے پہلے صفحے پہ چھاپا اور مستعفی ہو گئے۔"

ریگل چوک پر لکشمی مینشن جہاں مَیں 1988 میں لاہور منتقل ہونے کے بعد رہی، انگریزی ہفت روزہ ویو پوائنٹ کے دفتر کے قریب تھا جہاں غالباً میں پہلی مرتبہ رحمان صاحب سے ملی تھی۔ گوگل کی غیر موجودگی میں، سب سے بہترین سرچ انجن وہاں ویو پوائنٹ کے نامور وقائع نگار نظام صاحب تھے جو بعد میں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کا حصہ بنے، جب دی پاکستان ٹائمز سے رحمان صاحب اور عزیز صدیق کے استعفیٰ کے بعد عاصمہ جہانگیر نے اُنہیں ایچ آر سی پی کا ڈائریکٹرز بننے پر قائل کیا تھا۔

اُس کے فوری بعد میں نے ایچ آر سی پی میں ایک رضا کار کارکن کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا اور پھر تین ادوار تک کمیشن کی کونسل رکن رہی۔ لاہور چھوڑنے کے بہت عرصہ بعد جب میں نے رحمان صاحب کو اپنی ایک زیرِ تحریر کتاب کے متعلق معلومات دینے کو کہا تو وہ مجھے وقت اور بیش قدر معلومات دینے کے حوالے سے بہت صابر اور سخی ثابت ہوئے۔

یہ وہ ہی تھے جن سے مجھے اُردو روزنامے آزاد کے بارے میں پتہ چلا جو نومبر 1970 میں شروع ہوا تھا۔ یہ ایسی معلومات ہیں جنہیں ہماری درسی کتابوں کا حصہ ہونا چاہیے۔

پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) نے اپریل 1070 میں دوسرے معاوضہ بورڈ کی طرف سے عارضی ایوارڈ کے لیے دس روزہ ہڑتال کا اعلان کیا۔ فوجی حکومت نے اخبارات کے لگ بھگ 200 ملازمین کو برطرف کر دیا تھا جن میں 150 سے زائد کاتب تھے، جو حقیقی معنوں میں اپنے ہاتھوں سے اخبارات تحریر کرتے تھے۔ پی ایف یو جے نے برطرف صحافیوں اور کاتبین کو روزگار فراہم کرتے ہوئے خود اپنا اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان فضائیہ کے سابق سربراہ ایئر مارشل نور خان نے اُن کی مدد کی۔ اُنہوں نے استعمال شدہ روٹری مشین خریدی اور ڈان دفتر کے عقب میں لارنس وٹیمپل روڈ کے کنارے ایک چھوٹا سا پلاٹ کرائے پر لیا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں مظہر علی خان نے 1976 میں ویو پوائنٹ شروع کیا تھا۔

آئی اے رحمان کے علاوہ، آزاد کی ٹیم میں آئی اے رحمان کے علاوہ عبداللہ ملک، حمید اختر، اور منہاج برنا شامل تھے۔ منہاج برنا چیف رپورٹر کے طور پر کام کرتے تھے۔ عباس اطہر نیوز ایڈیٹر تھے۔ یہ وہ ہی تھے جنہوں نے اپنے ایک اور صحافی دوست نثار عثمانی کے تبصرے کی بناء پر غلطی سے مشہور جملہ "اِدھر ہم، اُدھر تم" ذوالفقار علی بھٹو سے منسوب کر دیا تھا۔

28 فروری 1971 کو ذوالفقار علی بھٹو نے لاہور میں ایک عوامی جلسے سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا اُن کے (بھٹو کے) پاس مغربی پاکستان میں اکثریتی نشستیں ہیں جبکہ مشرقی پاکستان میں اکثریت مجیب الرحمان کو ملی ہے۔ اُنہوں نے اعلان کیا کہ پی پی پی کا کوئی رکن پارلیمان قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے ڈھاکہ نہیں جائے گا۔ جب عباس اطہر، عثمانی صاحب کے پاس بھاگے بھاگے آئے اور کہا کہ جلسہ میں کیا ہوا تھا تو عثمانی صاحب نے یوں ہی رسماً کہہ دیا،

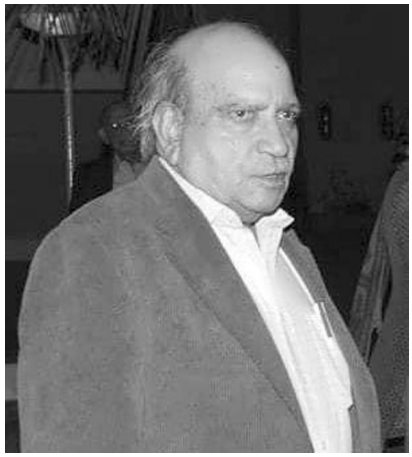

"اِدھر ہم، اُدھر تم۔"

آئی اے رحمان نے بتایا، "عباس اطہر نے اُسے آزاد کی شہ سرخی بنا دیا"۔

یحییٰ نے فوراً قومی اسمبلی کا اجلاس مؤخر کیا اور یوں مشرقی پاکستان میں نافرمانی تحریک شروع ہو گئی۔ رحمان صاحب اور اُن کے دوست اُن چند افراد میں شامل تھے جو بعد میں ہونے والے فوج کشی کے خلاف کھڑے ہوئے، جس فوجی کاروائی نے ملکی معیشت کو بھی مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

جماعتوں نے اشتہارات کے واجبات کی ادائیگی روک دی اور اخبارات مشکلات میں گھر گئے۔ آزاد سے وابستہ صحافیوں نے کچھ وقت تک اخبار کا ساتھ نبھایا مگر "پھر ہماری جمع پونجی ختم ہو گئی۔ یہ سلسلہ صرف تھوڑے عرصہ کے لیے جاری رہا"۔ آئی اے رحمان نے اپنے خاص انداز میں اُن مشکلات کی شدت کو کم کر کے بیان کیا جو وہ، اُن کے دوست اور اہلِ خانہ جھیل رہے تھے، اور جو اخبار کو رواں دواں رکھنے کے لیے اپنا گھریلو ساز و سامان اور اثاثے بیچ رہے تھے۔

آزاد نومبر 1971 میں بند ہو گیا۔ اُس کے کچھ صحافیوں کو دیگر اخبارات میں ملازمت مل گئی۔ دیگر سڑکوں پر آ گئے۔ "برنا پنڈی چلے گئے اور وہاں سے اپنی کار میں سوار ہو کر کراچی روانہ ہو گئے جو انہوں نے خریدی تھی مگر چلانا نہیں جانتے تھے"، رحمان صاحب نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ وہ ملتان میں اپنے والد کے گھر چلے گئے۔ مگر زیادہ عرصہ کے لیے نہیں۔

مصنف ایک صحافی، شعبہ صحافت میں اُستاد کے درجے پر فائز ہیں اور دی نیوز آن سنڈے کی بانی مدیر ہیں، اور تین ادوار کے لیے ایچ آر سی پی کی کونسل رکن رہی ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ دی نیوز)

رحمان صاحب کے چنے ہوئے راستے پر سفر جاری رہے گا

تعزیتی ریفرنس کے شرکاء کا عزم

دہلی پاکستان-انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی (پی آئی پی ایف پی ڈی) نے آئی اے رحمان کی وفات پر تعزیت کے اظہار اور انسانی حقوق کے لیے اُن کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے 15 اپریل کو ایک ریفرنس کا انعقاد کیا جس میں دنیا کے مختلف علاقوں سے انسانی حقوق کے دفاع کاروں اور صحافیوں نے شرکت کی۔ شرکاء نے رحمان صاحب کی سات دہائیوں پر مشتمل جدّ وجہد کا ذکر کیا اور اُن کے اپنائے ہوئے راستے پر سفر جاری رکھنے کا عزم ظاہر کیا۔ ریفرنس میں ریتا منچندا، رامو رام داس، کرامت علی، شیمنو، عظمیٰ نورانی، سیدہ حمیدہ، سلیمہ ہاشمی انیس ہاروں، زمان خان، ڈاکٹر ہارون، محترمہ الزبتھ، شیمنو، انورادھا بھاسین، سشیش کھنہ، بینا سرور، نگہت خان، نیل کمال، دنیش موہن، جگموہن سمیت انسانی حقوق کے کئی کارکنان نے اظہارِ خیال کیا۔

تقریب کا آغاز کرتے ہوئے ریتا منچندا نے کہا کہ اس اجلاس کا مقصد اپنے پیارے ساتھی ابنِ عبدالرحمان جو کہ زیادہ تر رحمان صاحب کے نام سے جانے جاتے تھے، کو یاد کرنا ہے۔ رحمان صاحب اعلیٰ پائے کے مفکّر تھے جنہوں نے ہمیں یہ یقین کرنے پر قائل کیا کہ دنیا میں امن کا قیام ممکن ہے۔ ایسا امن جو جمہوریت پر مبنی ہو، ایسا امن جو جمہوریت کو مستحکم کرے۔ اور اُن کا ایمان تھا کہ لوگوں کے درمیان رابطے، اور مکالمے سے یہ مقصد حاصل کرنا ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امن و جمہوریت کا قیام پاک-انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی کا بنیادی ہدف قرار دیا گیا۔ پاکستان سے انسانی حقوق کی ممتاز کارکن انیس ہارون نے کہا کہ "درحقیقت، مجھے ابھی بھی محسوس ہوتا ہے کہ رحمان صاحب کہیں ہمارے اردگرد ہیں۔ ہمیں پرعزم رہنے، حوصلہ نہ ہارنے کی تلقین کررہے ہیں۔" وہ ایسے انسان تھے جن کا ہمیشہ یقین رہا ہے کہ امن اور جمہوریت بالآخر غالب آئیں گے۔

معروف ہندوستانی صحافی تپن بوس کا کہنا تھا کہ ان کے لیے یہ یقین کرنا بہت مشکل ہے کہ رحمان صاحب اب ہمارے درمیاں موجود نہیں رہے۔ مگر ہمارے لیے اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ وہ ایسے واحد انسان تھے جو تمام سرحدوں سے ماورا تھے۔ وہ صرف پاکستان یا کسی خاص ملک کے انسان نہیں تھے۔ وہ حقیقی معنوں میں ایک عالمگیر انسان تھے۔ بے شمار صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ہر کسی سے محبت کرنے والے۔ 1993 میں ویانا میں انسانی حقوق پر عالمی کانفرنس کے موقع پر ہمیں پاک انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی کا خیال سوجھا۔ جب انسانی حقوق کے فورم پر محترمہ بے نظیر بھٹو اور من موہن سنگھ کے درمیان کشمیر کے مسئلے پر الفاظ کی لڑائی جاری تھی، اِس انداز میں کہ ہر کوئی شرمندہ تھا اور ہم سب اجلاس چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اُس وقت رحمان صاحب، جسٹس (ر) دراب پٹیل، عاصمہ جہانگیر اور مجھ سمیت کچھ ساتھیوں کو خیال آیا کہ دونوں ملکوں کے عوام کے مابین رابطہ سازی کے لیے کسی ادارے کا ہونا ضروری ہے۔ اور پھر ہم نے لاہور میں پی آئی پی ایف پی ڈی کا منشور تیار کیا جسے 'اعلامیہ لاہور' کہتے ہیں۔ رحمان صاحب کا خیال تھا کہ یہ ایک یکجا ادارہ ہوگا، اس کا ایک ہی چیپٹر ہوگا جس کے دو حصے ہوں گے۔

ایڈمرل (ریٹائرڈ) رام داس نے کہا کہ تقسیمِ ہندوستان کے وقت سرحدوں کے دونوں اطراف سے قتل و غارت ہوئی تھی۔ ہم مسئلہ جموں و کشمیر پر طویل عرصہ سے لڑ رہے ہیں، تاہم اگر حکومتیں عوام کی فلاح کا سوچیں اور مسلح افواج امن کے بارے میں سوچیں تو پھر عوام کے حقوق اوّلین ترجیح قرار پائیں گے۔ رحمان صاحب نے مشکل سے مشکل حالات میں بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ ہندوستان میں انسانی حقوق کے دفاع کار شیمنو کا کہنا تھا کہ رحمان صاحب سے اُن کی پہلی ملاقات بنکاک میں انسانی حقوق کی ایک کانفرس کے دوران ہوئی اور پھر یہ تعلق ان کی آخری سانس تک قائم رہا۔ اُنہوں نے رحمان صاحب کو باقی لوگوں سے الگ اور ممتاز پایا۔ محترمہ الزبتھ نے ماضی کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے کہا کہ انہیں 2006 میں اپنے دورہ پاکستان کے دوران رحمان صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ انسانی حقوق، آزادی اظہار، عورتوں اور پسے ہوئے طبقوں کے حقوق پہ پکّا یقین رکھنے والے شخص سے گفتگو کرنا ان کے لیے اعزاز کی بات تھی۔ 'دعا کرتی ہوں کہ رحمان صاحب کی میراث ہمیشہ سلامت رہے۔' مزدوروں کے حقوق پر کام کرنے والے کرامت علی نے کہا کہ ہم ایک ایسے انسان سے محروم ہو گئے ہیں جو ہر وقت دوسروں کی مدد کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ ان کی زندگی کا مشن تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں جمہوری اقدار پر یقین رکھتے تھے۔ وہ ایک مکمل انسان تھے۔ سشیش کھنہ کا کہنا تھا کہ رحمان صاحب قومیت سے بالاتر تھے وہ تمام بنی نوع انسان سے تعلق رکھتے تھے۔ بہت ہی شگفتہ مزاج اور خوش طبعیت تھے۔ 'ہم نے اُن سے سیکھا کہ انسانی حقوق کی جنگ کیسے لڑنی ہے اور

کسی بھی قسم کے حالات میں مایوس ہو کر اپنی جدوجہد ترک نہیں کرنی۔' عورتوں کے حقوق کی کارکن اور نامور صحافی بینا سرور نے کہا کہ بہت سے مقاصد جن کے لے رحمان صاحب نے کام کیا ان میں سے ایک جنوبی ایشیا میں امن کا قیام تھا۔ اور اس مقصد کے لیے بہت سے ادارے بنائے گئے جیسے کہ پاکستان- انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی، ساؤتھ ایشینز فار ہیومن رائٹس وغیرہ۔ پھر ہم نے ان تمام اداروں کا اتحاد قائم کرنے کا سوچا تو ساؤتھ ایشیا پیس ایکشن نیٹ ورک معرضِ وجود میں آیا۔ یہ سب کچھ رحمان صاحب کی بصیرت، فکر اور ہمت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ نگہت خان کے بقول رحمان صاحب کے ساتھ ان کا تعلق 1960 کی دہائی میں شروع ہوا تھا کیونکہ "ایپس دور میں ہم ایوب خان کی آمریت کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے۔" "رحمان صاحب اُن چند افراد میں شامل تھے جنہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی، معاونت اور مشاورت کی۔ اُن کی وفات سے ہم اپنے ایک پیارے ساتھی سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے ساتھ لگ بھگ تین دہائیوں سے زیادہ عرصہ وابستہ رہنے والے زمان خان نے کہا کہ رحمان صاحب ہمیشہ کہتے تھے کہ آؤ ماتم کرنے کی بجائے جشن منائیں۔' عاصمہ فوت ہوئیں تو انہوں نے یہ پیغام دیا، مبشر حسن فوت ہوئے تو انہوں نے یہی پیغام دیا۔ ان کا رحمان صاحب کے ساتھ پانچ عشروں کا تعلق تھا۔ 'یہ تعلق اُس وقت شروع ہوا جب میں جامعہ پنجاب کا طالبعلم تھا اور ہم نے نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام سے ایک مارکسسٹ تنظیم بنائی تھی۔' رحمان صاحب ایک بہت اچھے منتظم تھے، وہ چیزوں کو چند لمحوں میں کرتے تھے۔ اور وہ بہت خیال رکھنے والے انسان تھے۔ انورادھا بھاسین کا کہنا تھا کہ رحمان صاحب بہت شفیق، اور خوش مزاج انسان تھے۔ انتہا کے منکسرالمزاج تھے۔ اُن کا کوئی نعم البدل نہیں۔ بہت ہی شاذونادر ہوتا ہے کہ اتنی زیادہ خوبیاں ایک ہی شخص میں جمع ہو جائیں۔

آئی اے رحمان، ایک مثالی شخصیت

فرح ضیاء

جب لوگ آپ کو تعزیت کے پیغامات بھیجتے ہیں یا کال کرتے ہیں اور آپ کا غم بانٹنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ آپ کے لیے بہت بڑے شرف کی بات ہوتی ہے، خاص طور پر جب وہ جانتے ہیں کہ اِس غم میں ہم سب اکٹھے ہیں۔ ایک شخص بہت سوں کے لئے اتنا اہم کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو آئی اے رحمٰن کی وفات نے اٹھایا ہے۔ ایک اور سوال بھی ہے: کیا ہم موت کا سوگ منائیں یا زندگی کا جشن؟ شاید، ہم یہ دونوں کام کریں گے۔ پہلے سوگ منائیں گے اور بعد میں جشن، جیسا کہ فرحت اللہ بابر نے ایک تعزیتی ریفرنس کے دوران کہا۔

یہ بات حیران کُن ہے کہ ایک سادہ زندگی گزارنے والا سادہ سا انسان اتنا متاثر کُن وجود بن گیا کہ ہر وہ شخص جو اُن سے مل چکا تھا یقین کرنے لگا کہ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا خدا لافانی نہیں ہوتے؟

اُن کی زندگی کئی زمانوں سے وابستہ رہی تھی جس نے ان کی شخصیت سازی کی اور انہیں مکمل انسان میں بنایا۔ شاید ہمیں رحمٰن صاحب کی شخصیت کا ادراک کرنے کے لئے ایک نئی زبان یا الفاظ کے نئے بندوبست کی ضرورت ہے۔ امکان یہ ہے کہ ایک آزمودہ زبان کے بوسیدہ الفاظ اُن کی ذات کے ایک حصے کا بھی احاطہ نہیں کر پائیں گے۔ پھر ایسے فقرے ہیں جو اُن کے لئے اس قدر موزوں ہیں کہ وہ محض فقرے ہیں رہتے۔ وہ انتہائی متاثر کن شخصیت تھے، وہ ایک مثالی شخصیت تھے۔

تو پھر کوئی ایک شخص کے بارے میں جسے ہم رحمٰن صاحب کے نام سے جانتے ہیں کے بارے میں لکھنے کی کوشش بھی کیسے کرسکتا ہے۔ ہم انتظار نہیں کرتے، جیسا کہ اُنہوں نے ہمیں سکھایا ہے۔ ہم بس لکھنے بیٹھ جاتے ہیں کیوں کہ ہمیں حتمی تاریخ کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ میرا اُن سے ایک تعارف اِس حوالے سے تھا۔ اس اخبار کے ساتھ اپنی طویل وابستگی کے دوران مجھے اُن سے مضامین لکھوانے کا خاص شرف حاصل رہا۔ یقیناً، وہ اپنے مضامین وقت پر بھیجتے، لیکن کچھ عرصہ بعد مجھے احساس ہوا کہ دراصل وہ کسی جریدے کے لئے لکھنے کے امکان کی وجہ سے خوش تھے۔ اُنہیں طویل، بعض اوقات غیر روایتی موضوعات اور اپنے ہفت روزہ اداریے کی نسبتاً سخت حدود سے ہٹ کر مضامین لکھنا پسند تھا۔ اُن کا جواب "اچھی بات ہے"، "کر دیں گے" ہوتا۔ وہ خاموش طبع انسان تھے۔

لکھنا ان کی زندگی تھا، اسی طرح پڑھنا بھی، کیوں کہ اس کے بغیر لکھنا ممکن نہ ہوتا۔ ٹیلی فون پر ان مختصر مکالموں کے علاوہ، ہم آئی اے رحمٰن کے بارے میں ان کے بیٹے اشعر رحمٰن جو نیوز آن سنڈے میں 10 سال تک میرے ایڈیٹر رہے کے ذریعے جان رہے تھے۔ ثقافت، تہذیب، پیشہ ورانہ مہارت، دیانت داری اور فہم اس خاندان کا خاصہ رہا ہے۔ وہ سفر کے بہت شوقین تھے۔ اس سے ان کا مزاج اچھا ہو جاتا تھا، اشعر ہمیں بتایا کرتے تھے۔

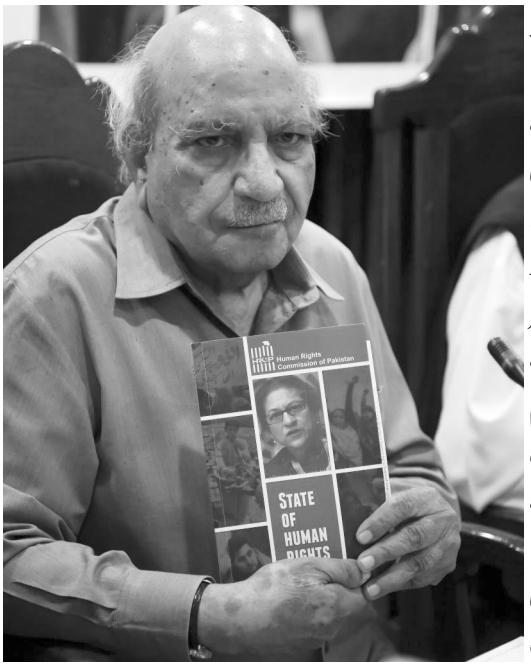

گزشتہ 25 سالوں کے دوران میری ان سے ان کے گھر کئی ملاقاتیں ہوئیں جہاں وہ ایک فراخ دل میزبان رہے تھے؛ سیمیناروں، کانفرنسوں، تہواروں اور احتجاجی مظاہروں میں بھی۔ میں نے انہیں پڑھا، ان کا انٹرویو کیا، ان کے ساتھ سفر کیا اور ہمیشہ ان کی مستقل مزاجی، دلجمعی، گرم جوشی اور حسِ مزاح سے متاثر رہی۔ ان کی تحریروں اور عوامی مقامات میں ان کی موجودگی میں جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی قابلیت تھی۔ علمیت، تاریخی تناظر، حقائق پر توجہ اور تجزیہ سب مل کر ان کے نظریات ترتیب دیتے جن کا اظہار وہ ہمیشہ دھیمی آواز میں کرتے۔

رحمٰن صاحب کو انسانی حقوق کے کارکن کے طور پر سراہا جاتا ہے۔ میرے نزدیک وہ ایک سربرآوردہ صحافی تھے جو انسانی حقوق، پارلیمانی جمہوریت، آئین کی بالادستی، اظہار رائے کی آزادی اور انفرادی آزادیوں پر یقین رکھتے تھے۔ انہیں عاصمہ جہانگیر نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا حصہ بنایا تھا کیوں کہ وہ اُن مقاصد پر یقین رکھتے تھے، اور اُن دِنوں صحافت نے اُن اور عزیز صدیقی اور حسین نقی جیسے صحافیوں کو غیر متعلق بنا دیا تھا۔ پاکستان میں انسانی حقوق ایک طرح سے صحافت کی توسیع تھی۔ اِن تینوں قد آور شخصیات نے اِنہی بنیادوں پر انسانی حقوق کی تحریک کو پروان چڑھایا اور ریاست اور معاشرے کے طاقت ور حلقوں کی زیادتیوں اور سفاکی کو بے نقاب کیا۔

ایچ آر سی پی کے فیکٹ فائنڈنگ مشنز نے صحافت سے بہت کچھ مستعار لیا، تاکہ کہانی کے تمام پہلوؤں سے آگہی حاصل کر کے حقائق معلوم کئے جاسکیں۔ رحمٰن صاحب نے صحافت سے کبھی تعلق نہ توڑا اور اخبارات کے لئے باقاعدگی سے لکھتے رہے کیوں کہ وہ اسے ایک اجتماعی جدوجہد کے طور پر دیکھتے تھے۔ وقت کے ساتھ، وہ ملک میں انسانی حقوق کی سب سے طاقت ور اور حتمی آواز بن گئے۔

اُن کے ساتھ مزید وقت نہ گزارنے کا پچھتاوا رہے گا، اور پھر اُن کے ساتھ گزرے وقت کی یادیں ہیں جو خوشی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ تقریباً دو ماہ پہلے، 17 فروری کو ہمیں اسلام آباد سے لاہور اکٹھے سفر کرنے کا موقع ملا۔ ہم ایک ورکشاپ میں شریک تھے اور رحمٰن صاحب کو ایک دن پہلے نکلنا پڑا تھا۔ میں نے ان کے ساتھ گاڑی میں جانے کا بہانہ ڈھونڈ لیا۔ موٹروے پر دھند کی وجہ سے ہمیں اسلام آباد ٹال پلازا پر دو گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ ہم نے جی ٹی روڈ سے جانے کا فیصلہ کیا۔ ہمیں لاہور پہنچنے میں ساڑھے آٹھ گھنٹے لگے لیکن ان کے چہرے پر بے چینی کا شائبہ تک نہ تھا۔ اِس کے برعکس، وہ پرسکون رہے جو میرے لیے باعثِ مسرت ہی ہوسکتا تھا۔ شام کو اُنہوں نے مجھے شکریہ کا پیغام بھیجا۔ معلوم نہیں کس لئے۔ یہ تھے رحمٰن صاحب۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ دی نیوز آن سنڈے)

پاکستان میں انسانی حقوق کا نامور دفاع کار

ماہین پراچہ

ابنِ عبدالرحمان (یکم ستمبر 1930 سے 12 اپریل 20121 تک) کی یادیں

"دنیا تو چلتی رہے گی"، اُنہوں نے کہا۔۔۔ گذشتہ چند ہفتے بہت مشکل تھے اور رحمان صاحب نے مجھے اپنے دفتر بلایا۔ اُنہوں نے بے ترتیب پڑی کتابوں اور کاغذات کے انبار کے پیچھے سے بسکٹس کا ایک پیکٹ نکالا اور مجھے بولنے نہ دیا جب تک کہ میں نے تین نگل نہ لیے۔ مزید قابو نہیں پا سکتی، میں نے بالآخر اعتراف کیا، اِس احساسِ ندامت کے ساتھ کہ میں اس شخص سے گِلا کرنے کے موقع سے فائدہ اٹھا رہی ہوں جس نے زندگی کے 70 برس انسانی حقوق کے دفاع کار کی حیثیت سے بسر کیے ہیں اور فرض کی ادائیگی میں کئی اپنے عزیز و اقارب کھوئے ہیں۔ اُس ہفتے ہر سہ پہر کو، وہ مجھے ڈیوڑھی میں روکتے اور پوچھتے کہ میں نے دوپہر کے کھانے میں کیا کھایا ہے اور اگر میرا جواب ہوتا کہ میں کھانا "بھول" گئی تھی تو ڈانٹتے۔

یہ کہنا کافی نہیں کہ وہ ایک رہبر اور اُستاد تھے۔ جب میں نے ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) میں کام کرنا شروع کیا، میں ہر ایک پریس ریلیز یا فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ کا اُن کے لیے پرنٹ لیتی، ہچکچاتے ہوئے اُن کے دروازے پہ دستک دیتی، اُن کے پُروقار "آیئے آیئے" کا انتظار کرتی، اور جس دوران وہ کسی لفظ کو بدلتے، فقرے تبدیل کرتے یا کسی سرجن کی قطعی درستی جیسی مہارت کے ساتھ ایک یا دو سطریں بڑھاتے تو اُس لمحے اپنا سانس روکے رکھتی۔ اُنہوں نے کہا، "آپ کے الفاظ سوئی کی چُبھن جیسے کبھی نہیں ہونے چاہئیں"، یہ بڑے گھاؤ کی مانند ہونے چاہئیں۔"

یہ رحمان صاحب تھے جنہوں نے 2018 کی انتخابی مہم کے دوران، اسلام آباد میں ہماری پریس کانفرنس میں اپنے رفیق کاروں کو حیران کرتے ہوئے "گندے ترین انتخابات" کی اصطلاح ایجاد کی۔ وہ تنقید کرتے وقت عموماً سخت مذمتی کلمات سے گریز کرتے تھے۔ میں، البتہ، ان الفاظ کے چناؤ پر خوش تھی اور فوری طور پر 'ٹویٹ' کر دی۔ بلاشبہ، ان کی کلمات ٹویٹ کیے جانے کے قابل ہوتے تھیں، اگرچہ میں انہیں ٹویٹر استعمال کرنے پر قائل نہ کر سکی۔

ان کی خاموش توانائی کی کوئی حد نہیں تھی۔ ان کے لیے علی الصبح اٹھ کر جنوبی پنجاب میں کارکنان سے گفتگو کرنے کے لیے ملتان کے تب چھ گھنٹے کے سفر پر روانہ ہونا اور اسی دن واپس آنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ یہ ان میں سے ایک سفر تھا جو میں نے ان کے ساتھ بذریعہ سڑک کیے تھے اور آدھی رات کے وقت ساہیوال میں میکڈولنڈ پر رکنا غالباً عجیب بھی تھا، کار میں ان کے پہلے دورہ ماسکو پر گفتگو سے لطف اندوز ہونے کے بعد۔ بالآخر جب میں گھر پہنچی تو میں نے اپنی گاڑی میں آموں کا ایک کریٹ پایا جو انہوں نے خاموشی سے رکھوا دیا تھا۔

درحقیقت، وہ سفر میں بہت خوشی محسوس کرتے تھے۔ صرف رحمان صاحب ہی تھے جنہوں نے یہ سن کر کہ کراچی جانے والی ساری پروازیں منسوخ ہو گئی ہیں، کہا کہ وہ رضیہ بھٹی میموریل لیکچر دینے کے لیے بذریعہ سڑک کراچی جائیں گے۔

بلوچستان کے سفر کی انہیں خاص مسرت ہوتی تھی۔ انہیں وہاں ہونے کی خوشی شدید اور غیر معمولی ہوتی تھی۔ ایک موقع پر، کوئٹہ ائیر پورٹ پر اپنے سامان کی وصولی کے انتظار کے دوران، نیچے دیکھتے ہوئے میری نظر ان کے ٹخنے پر لگے زخم پر پڑی جس سے اچھا خاصا خون بہہ رہا تھا؛ انہیں کوئٹہ واپس آنے کے جوش میں اس کی خبر تک نہیں ہوئی تھی۔ ہم انہیں فوراً ہنگامی کمرے میں لے گئے اور اس وقت تک انہیں اچھی خاصی درد ہو رہی تھی، مگر۔۔۔ بلاشبہ، انہوں نے زخم مندمل ہونے تک ہوٹل میں رہنے سے صاف انکار کیا، اور ایک گھنٹے کے اندر اندر، ایک تقریب کے لیے پریس کلب پہنچ گئے۔ رحمان صاحب کے شہر میں ہونے کی خبر پھیلی ہی تھی کہ دوست، مداح جھنڈوں کی شکل میں نمودار ہو گئے: سیاسی کارکنان، ٹریڈ یونین رہنماء، صحافی، ماہرین تعلیم، وکلاء، طالبعلم۔ جیسا کہ ایک دوست نے کہا ہے، رحمان صاحب ان چند لوگوں میں شامل تھے جنہیں ہر کوئی اپنا کہتا ہے: وہ ایک اعزازی بلوچ تھے، ایک اعزازی سندھی، ایک اعزازی پشتون۔ وہ سب کے سانجھے تھے۔

کوئٹہ میں قیام کے دوران، شام پڑتی تو ہم سب رحمان صاحب کے کمرے میں اکٹھے ہو جاتے اور تاریخ، سیاست، اور ادب، پر گفتگو سنتے جس میں رحمان صاحب کے طنزیہ مزاح توقف پیدا کرتا رہتا۔ شروع شروع میں مجھے ان اجتماعات سے خوف آتا، مگر مجھے احساس ہوا کہ اگر آپ زیادہ وقت تک خاموش رہیں گے، تو وہ (رحمان صاحب) آپ کو۔۔۔ خاص کر اگر آپ ان کے نوجوان سامع ہیں۔ وہ آپ سے جاننا چاہتے کہ آپ کیا سوچتے ہیں؛ آپ کیوں اور کیا پڑھتے اور سوچتے ہیں۔ واٹس ایپ انکل ازم کی زہریلی دنیا میں، رحمان صاحب آپ سے اس طرح شریک گفتگو ہوتے جیسے آپ ان کے ہم عصر ہیں۔

2020 میں وباء نے آفت ڈھائی تو مجھے محسوس ہوا کہ سفری پابندیوں کا سب سے زیادہ دکھ رحمان صاحب کو لگا تھا۔ محمد الیاس (جنہیں ایچ آر سی پی میں رحمان صاحب تک کھلی رسائی حاصل تھی، غمزدہ شیرنی کی طرح) ازراہِ مذاق انہیں بتایا کہ یہ طویل ترین مدت ہے جس دوران وہ ائیر پورٹ کے اندرونی حصے کو دیکھنے سے محروم رہے ہیں۔

مجھے نہیں پتہ کہ رحمان صاحب کو یہ احساس تھا یا نہیں کہ ایچ آر سی پی میں عمر میں اپنے سے چھوٹے ساتھیوں کے لیے وہ دیوتا تھے۔ میرا خیال ہے انہیں تھا۔ غالبا، وہ اس خیال سے خوش

ہوتے۔ ان کی یادداشت غیر معمولی تھی، نہ صرف حقائق، قوانین، شاعری کے حوالے سے، بلکہ اپنے ساتھیوں کے ذاتی زندگیوں کے لیے بھی۔

ایچ آر سی پی میں نو واردوں کا تعلق ہے، ہم نے۔ وہ لوگوں کی صلاحیتوں میں نکھار لاتے تھے حالانکہ انہیں اس کی خبر تک نہ ہوتی تھا کیونکہ اس سے پہلے کہ لوگوں کو اپنی قابلیت کا پتہ چلتا، رحمان صاحب ان کی قابلیت کو بھانپ لیتے تھے۔

اگر عاصمہ جہانگیر ایچ آر سی پی کا دھڑکتا دل تھیں تو رحمان صاحب اس کا دماغ تھے۔ کبھی پریشان نہ ہونے والا، بدنظمی میں نظم لانے والا اور ہر مشکل میں پڑے شخص کی رہنمائی کرنے والا دماغ۔ ان کا حرف حرفِ آخر تھا، صرف اس وجہ سے نہیں کہ وہ ایچ آر سی پی کے بزرگ تھے، بلکہ اس وجہ سے بھی کہ انہیں کمیشن سے متعلقہ ہر ایک معاملے کا علم ہوتا تھا۔ ہم ان کے یومِ وفات پر ایچ آر سی پی روشن چبوترے پر بیٹھے ان کو یاد کر رہے تھے کہ ایک دوست نے کہا کہ رحمان صاحب کو پتہ ہوتا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اور اگر انہیں یہ نہ پتہ ہوتا کہ کیا کرنا چاہیے تو یہ ضرور پتہ ہوتا کہ کیا نہیں کرنا چاہیے۔

ایک نوجوان ساتھی نے ایک انتہائی رقت انگیز ٹویٹ کی جس میں بتایا کہ رحمان صاحب کی وفات اس کے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔ اس سے ایک مرتبہ پھر واضح ہوا کہ ہر ایک کے پاس رحمان صاحب کی داستان ہے، رحمان صاحب کی لطیف حسِ مزاح تھی، قطع نظر اس کے کہ وہ انہیں کتنے قلیل یا طویل عرصہ سے جانتا ہو۔ سب کے پاس رحمان صاحب سے متعلق ہمیشہ بہت کچھ ہوتا تھا۔

دنیا تو چلتی رہے گی، رحمان صاحب۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے کچھ مشکل ہو جائے گی۔

ماہین پراچہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان میں شعبہ تحقیق و کمیونیکیشنز میں کام کرتی ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

الوداع، رحمان صاحب

حارث خلیق

اگر آپ کو آئی اے رحمان کا تعزیت نامہ لکھنا پڑے تو گلا رُندھنے سے کیوں کر بچ پائیں۔ شاید سب سے پہلے یہ یاد کر کے کہ کس قدر بذلہ سنج اور شگفتہ مزاج انسان تھے۔ اُن کی حسِ مزاح اور ایک عام بات سے لطیفہ پیدا کرنے کا ہنر سننے والے کو تر و تازہ کر دیتا تھا۔

گذشتہ برس کووڈ کے سبب میں کئی ہفتوں تک اسلام آباد سے اپنے دفتر لاہور نہ جا پایا۔ مَیں نے رحمان صاحب کو اُن کی 90 ویں سالگرہ پر مبارک باد دینے کے لیے فون کیا۔ ہماری گفتگو کے دوران، رحمان صاحب نے بڑی رواداری سے کہا: "میں خوش ہوں کہ آپ نے بالآخر لاہور کو اپنا پِنڈ (گاؤں) تصور کرنا شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ جب کوئی لڑکا پڑھ لکھ جاتا ہے اور شہر منتقل ہو جاتا ہے تو وہ پھر اپنے پنڈ صرف عید والے دن پہ ہی آتا ہے (مطلب یہ کہ سال میں صرف ایک بار)۔" اگلی صبح میں چہرے پہ ماسک چڑھائے اور ہاتھ میں ہینڈ سینیٹائزر کی بوتل پکڑے لاہور پہنچ گیا۔

ایک مرتبہ رحمان صاحب پاکستان کے ایک نامور مصنف سے کسی دعوت میں ملے۔ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے: "عشایئے کا وقت ہے اور آج آپ کی کوئی نئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ خیریت تو ہے؟" ایک اور موقع پر، ایک کتاب کی رونمائی کے موقع پر، اُن سے پہلے گفتگو کرنے والے ایک مقرّر نے مصنف کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا کہ مصنف نے یہ کتاب تحریر کرتے ہوئے غیر معمولی ہمت کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ اُنہوں نے اپنی خرابی صحت کے باوجود اسے تکمیل تک پہنچایا۔ اپنی باری پر رحمان صاحب نے کہا کہ وہ اپنے ساتھی مقرّر سے نہ صرف متفق ہیں، بلکہ کتاب کا متن بھی تصدیق کر رہا ہے کہ مصنف علیل تھے۔ مصنف سمیت تمام حاضرین کے قہقہے چھوٹ پڑے۔ پھر رحمان صاحب نے تصنیف کی سنجیدہ جانچ پرکھ شروع کی۔

ایک دفعہ وہ قانون کی حکمرانی پر ایک کانفرنس کی صدارت کر رہے تھے۔ مقررین میں سے ایک نے موضوع پر ایک لمبی چوڑی تقریر بے جوڑ داغ دی۔ اُن کے بعد رحمان صاحب ڈائس پر گئے اور کہا: "میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا۔ فاضل مقرّر نے اُن سوالات کا جواب بھی دے دیا ہے جو وجود ہی نہیں رکھتے۔"

رحمان صاحب کا آبائی علاقہ ہریانہ، ہندوستان تھا۔ تب وہ غیر منقسم پنجاب کا حصہ تھا۔ ایک مرتبہ اپنے کچھ نوجوان دوستوں کے ساتھ نشست کے دوران اُنہوں نے بتایا کہ وہ 1930 میں دریائے جمنا کے کنارے آباد ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے جہاں بلوچستان سے اُن کے آباؤ اجداد جا آباد ہوئے تھے۔ کسی نے اُن سے پوچھا: "دریا کے دوسرے کنارے کیا تھا؟" رحمان صاحب نے برجستہ کہا: "اہلِ زبان۔" یہ بات اس نوک جھونک سے متعلق ہے جو زبان اور محاوروں کے معاملات میں ایک طرف پنجابی و ہریانوی لوگوں اور دوسری طرف دہلی و اتر پردیش سے اردو بولی کے باسیوں کے بیچ ہوتا رہتا تھا۔

جب وہاں کسی نے یہ کہہ کر رحمان صاحب کی تعریف کی اگرچہ وہ انگریزی میں لکھتے ہیں مگر اُردو پر ان کی گرفت مثالی ہے تو اُنہوں نے جواباً کہا: "یہ میری پہلی زبان ہے۔ مگر یہ اہمیت نہیں رکھتا کہ کوئی کونسی زبان بولتا ہے۔ زیادہ اہم اہلِ آواز ہونا ہے اور ان کے لیے آواز اٹھانا ہے جو بے آواز ہیں۔" یہ تھے رحمان صاحب۔

65 برس سے زائد عرصہ تک، وہ بے آوازوں کی آواز بنے، ستم زدوں کی حمایت میں لکھتے رہے، عورتوں و مذہبی اقلیتوں کے مدعی، اور مزدوروں، کسانوں، کلرکوں، نرسوں اور اساتذہ کے حقوق و عزت کے علم بردار بنے رہے۔

1947 میں رحمان صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھے۔ اُن کا خاندان پہلے پہل ملتان منتقل آیا مگر رحمان صاحب جلد ہی لاہور منتقل ہو گئے۔ اُنہوں نے صحافت کو اپنا پیشہ بنانے سے قبل جامعہ پنجاب سے طبیعات میں ماسٹر کیا۔ فلموں پر رپورٹنگ شروع کی اور معروف اخبار پاکستان ٹائمز میں ڈیلی-مدیر کے طور پر کام کرتے رہے۔

بعد میں اپنے کیریئر کے دوران، وہ ویو پوائنٹ، آزاد، ڈان اور دی نیوز سمیت مختلف ہفت روزوں اور روزناموں میں لکھتے رہے۔ وہ ممتاز شخصیت مظہر علی خان کی زیرِ نگرانی ہفت روزہ ویو پوائنٹ کے مدیر رہے اور پھر 1988 اور 1990 کے دوران روزنامہ پاکستان ٹائمز کے مدیرِ اعلیٰ کے طور پر کام کرتے رہے۔

سن 1990 کے بعد انہوں نے عملی صحافت کے پیشے کو خیر باد کہا اور آزاد و خود مختار ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کا حصہ بن گئے۔ البتہ، وہ اگلے 31 برسوں تک، قومی اخبارات و جرائد میں باقاعدگی کے ساتھ مضامین لکھتے رہے۔ اُن کا آخری مضمون ان کی وفات سے چار دن قبل 8 اپریل کو ڈان میں شائع ہوا۔ اُنہوں نے کئی فکری مقالوں اور کتابوں کے بصیرت انگیز پیش لفظ تحریر کیے، چند کتابوں کی ادارت و تدوین کی اور کچھ کتابوں کے شریک مصنف ہوئے۔ اُن کی صحافتی تحاریر بھی تاریخ و ادب کے علم، سیاست و سماج کی گہری فہم و فراست اور دستور و قانون سازی پر مکمل گرفت سے مزّین نظر آتی ہیں۔ وہ سب سے نامور عوامی دانشور تھے جن کی نظر میں اہم ترین مسئلہ عوام کی فلاح تھا۔

رحمان صاحب مشرقی پاکستان میں 1971 کی فوج کشی کے خلاف تھے۔ اُن کی تنقید مقتدر حلقوں کو پسند نہ آئی۔ مختلف ادوارِ حکومت میں، 1960 کی دہائی سے 1990 کی دہائی تک، اُنہیں سرکاری عتاب کا سامنا رہا جس میں قید و بند کی صعوبتیں اور ملازمت سے برخاستی شامل تھی۔ اُن کا پہلا اور مقدم جذبہ آزادیِ اظہار کا حق تھا۔ وہ ایک ٹریڈ یونینسٹ بھی تھے اور پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) کے لیے روشن مینار کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ آرٹ و ادب، تھیٹر اور فلم کے فروغ کے لیے کوشاں کئی اداروں کے مشیر اور بورڈ ممبر رہے۔ لاہور میں اجوکا تھیٹر اُنہیں بہت عزیز تھا۔

ایچ آر سی پی کا حصہ بننے کے بعد 1990 سے 2008 تک وہ ڈائریکٹر رہے جس کے بعد وہ سیکرٹری جنرل متعیّن ہوئے۔ وہ 2016 میں سُبک دوش ہوئے مگر ایچ آر سی پی کی کونسل (ادارے کا بورڈ) نے اُن سے اعزازی ترجمان کے طور پر کام کرنے کی استدعا کی۔ وہ روزمرہ کے انتظامی معمولات میں حصّہ نہیں لیتے تھے مگر انہوں نے ادارے کی رہنمائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ انہوں نے کئی فیکٹ فائنڈنگ مشنز کی قیادت کی، اور ایچ آر سی پی کی کئی اہم رپورٹس کو مرتب و مدون کرنے کا کام بھی کیا۔ ایچ آر سی پی کی شریک بانی اور ادارے کی سیکرٹری جنرل اور چیئر پرسن کی ذمہ داری نبا ہنے والی بے مثال شخصیت عاصمہ جہانگیر رحمان صاحب کو کو اپنا استاد مانتی تھیں۔ وہ کہا کرتی تھیں: "رحمان صاحب کی دانش اور طبیعت میں ٹھہراؤ، دونوں بے مثال ہیں۔"

رحمان صاحب کی پیدائش ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی تھی، مگر وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ اُن کے آباؤ اجداد سیاست میں ترقی پسند نقطہ نظر کے حامل باعمل مسلمان تھے۔ وہ خود مارکسزم سے متاثر ہوئے اور وہ فیض احمد فیض، حبیب جالب، پروفیسر امین مغل، عزیز صدیقی، حسین نقی اور ڈاکٹر مبشر حسن جیسے ہم خیال لوگوں کے قریب ہوتے گئے جن کے نظریاتی مفادات اُن سے ملتے جلتے تھے۔ اپنے اندر پائی جانے والی انسانیت اور مختلف آراء کے بارے میں احترام کے جذبے کی بدولت وہ کٹّر پن سے بچے رہے اور ایک پکے سوشلسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ جمہوری اقدار پر اُن کا یقین مضبوط رہا۔

> **ایچ آر سی پی کا حصہ بننے کے بعد، 1990 سے 2008 تک وہ ڈائریکٹر رہے جس کے بعد وہ سیکرٹری جنرل بنے۔ وہ 2016 میں ریٹائر ہوئے مگر ایچ آر سی پی کی کونسل (ادارے کا بورڈ) نے ان سے اعزازی ترجمان کے طور پر کام کرنے کی استدعا کی۔ وہ روزمرہ کے معمولات میں حصّہ نہیں لیتے تھے مگر ادارے کی رہنمائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ انہوں کئی فیکٹ فائنڈنگ مشنوں کی قیادت کی، اور ایچ آر سی پی کی کئی اہم رپورٹس کو مرتب و مدون کرنے کا کام بھی کیا۔ ایچ آر سی پی کی شریک بانی اور ادارے کی سیکرٹری جنرل اور چیئر پرسن کی ذمہ داری نبھانے والی بے مثال شخصیت عاصمہ جہانگیر رحمان صاحب کو کو اپنا استاد سمجھتی تھیں۔ محترمہ جہانگیر کہا کرتی تھیں: "ان کی حکمت لاثانی ہے جبکہ طبیعت تسکین بخش ہے۔**

1947 میں تقسیم کے فسادات کے دوران، رحمان صاحب کے کئی رشتہ دار جان سے گئے۔ اس کے باوجود وہ جنوبی ایشیا میں امن و ترقی کے علمبردار رہے۔ اُن کا ایمان تھا کہ اگر برصغیر جنوبی ایشیا میں امن و استحکام بحال نہ ہوا تو خطے کے عام لوگ مادی و جذباتی لحاظ سے مشکلات کا بدستور سامنا کرتے رہیں گے۔ اِسی ایمان کی بدولت وہ پاکستان-انڈیا پیپلز فورم برائے امن و جمہوریت کے بانی چیئر بنے۔

میں رحمان صاحب کو اُس زمانے سے جانتا ہوں جب میں کراچی میں بچپن گزار رہا تھا۔ گذشتہ 30 برسوں کے دوران، مجھے اُن کے ساتھ سفر کرنے اور اندرون و بیرون ملک چند شامیں بسر کرنے کا موقع ملا۔ مگر ان پچھلے چند برسوں کے دوران رحمان صاحب کے بہت قریب رہ کر کام کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

افراد پر رائے زنی نہ کرنے اور اپنے ذاتی و سیاسی اختلافات کو ذاتیات سے بالاتر رکھنے کی ناقابلِ یقین صلاحیت رحمان صاحب کی ایسی صفت تھی جسے سیکھنے میں میرے رفیق کاروں اور مجھے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ اُن کے کردار اور وقار کے علاوہ، یہ ان کا حسنِ سلوک تھا جس سے وہ لوگ بھی اُن کے احترام پر مجبور ہوئے جو اُن سے ذرّہ برابر بھی اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ رحمان صاحب نے بھرپور زندگی جی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُن کا داغِ مفارقت دے جانے کا وقت آ گیا ہو۔ مگر جیسا کہ ایک دوست ذیشان نوئیل نے کہا: "ہم جیسے بہت سوں کی خواہش تھی کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں۔" کتنا بڑا نقصان ہے۔ گلا پھر رُندھ گیا۔

مصنف، ایک شاعر، اور لکھاری ہیں اور آجکل ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے سیکرٹری جنرل کی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/ اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تا کہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

'رحمان صاحب، اگلی ملاقات تک خدا حافظ'

ثقلین امام

'نہاری مل جائے تو کیا کہنے!'

یہ لاہور کے کوئی کھابے کھانے والے شخص کی بات نہیں ہے، بلکہ یہ بظاہر ایک سنجیدہ، اور کافی حد تک ایک بور موضوع والی شخصیت، آئی اے رحمان کا ذکر ہے۔

اکثر لوگ انھیں انسانی حقوق کے علمبردار اور خطے میں امن کا داعی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ یہ بہت ہی سنجیدہ موضوعات ہیں۔

پاکستان اس وقت انسانی حقوق کی زیادہ خلاف ورزیاں کرنے والے ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ گذشتہ برس جنسی فرق روا رکھنے والے 155 ممالک کی فہرست میں پاکستان 153 ویں نمبر پر کھڑا تھا۔

اور جنوبی ایشیا میں اگرچہ حالیہ ماحول میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان امن کی پو پھوٹنے کے امکانات ہیں لیکن تصادم کے بادل بھی منڈلا رہے ہیں۔

مزاحمت اور رقص و سرور

انڈیا کی انسانی حقوق کی ایک معروف شخصیت ٹیسٹا سِتلواد، جنھوں نے گجرات میں مسلم کُش فسادات کی وجہ سے مودی سرکار سے ٹکر لی، آئی اے رحمان کی حسِ مزاح کا ایک واقعہ یاد کرتی ہیں جس نے محفل کو زعفران بنا دیا تھا۔

غالباً یہ دسمبر 1996 کا واقعہ ہے جب انڈیا اور پاکستان کے عام شہریوں کی رابطے کی غیر سرکاری تنظیم، پاکستان انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی کے تیسرے کنونشن کا اجلاس ہو رہا تھا۔

ایک انڈین صحافی نے رحمان صاحب کے خطاب کے دوران سوال کیا کہ وزیرِ اعظم آئی کے گجرال کی حکومت نے 100 پاکستانیوں کو انڈیا کے کئی شہروں میں نان ریورٹنگ ویزا جاری کیا ہے۔ اس کے عوض پاکستان کی طرف سے کیا ملے گا؟'

رحمان صاحب کچھ دیر خاموش رہے، ہال میں چاروں جانب نظر دوڑائی۔ انھیں شرارت سوجھی اور ان کی آنکھوں میں ایک چمک آئی اور اُس صحافی کو جواب دیتے ہوئے کہا 'کیا آپ انڈینز کو اندازہ ہے کہ فوجی آمریت میں آزاد جمہوریت کو شدت سے چاہنے کا مطلب کیا ہے؟'

رحمان صاحب نے اپنے ہی سوال کے جواب میں بظاہر سنجیدگی سے کہا اس کا مطلب جیل جانا اور زندگی کو خطرے میں ڈال کر مزاحمتی رقص و سرور اور فن کی محفلوں کو آباد کرنا ہے۔

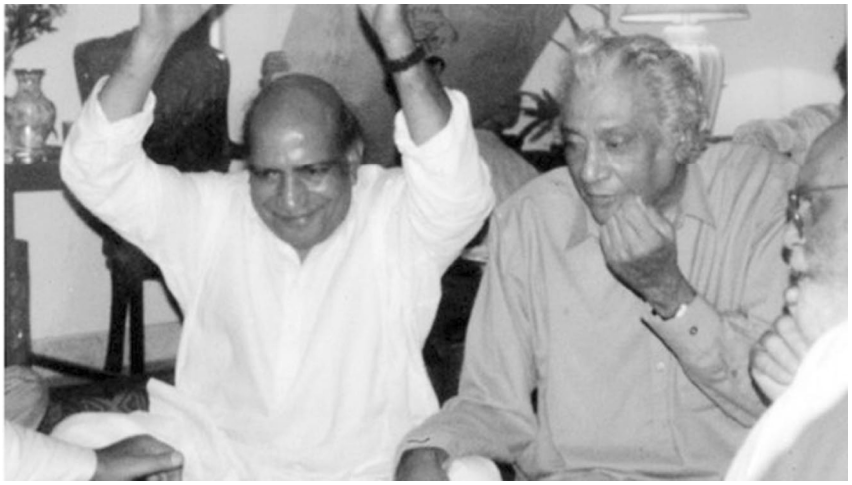

یہ جواب دے کر چند لمحے خاموش رہے، پھر وہ مسکرا دیے۔ سامعین نے اس ذو معنی فقرے کا کچھ توقف کے بعد لطف اٹھایا اور پورا ہال مسکراتے ہوئے تالیوں سے گونج اٹھا۔

وہ دبے ہونٹوں کی مسکراہٹ میں سخت بات کہہ دیتے۔ ان کے کسی بھی دوست کو کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں ہے جب وہ

انڈیا کی انسانی حقوق کی ایک معروف شخصیت ٹیسٹا سِتلواد، جنھوں نے گجرات میں مسلم کُش فسادات کی وجہ سے مودی سرکار سے ٹکر لی، آئی اے رحمان کی حسِ مزاح کا ایک واقعہ یاد کرتی ہیں جس نے محفل کو زعفران بنا دیا تھا۔ غالباً یہ دسمبر 1996 کا واقعہ ہے جب انڈیا اور پاکستان کے عام شہریوں کی رابطے کی غیر سرکاری تنظیم، پاکستان انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی کے تیسرے کنونشن کا اجلاس ہو رہا تھا۔

غصے میں ہوں یا کسی کو چڑچڑے نظر آئے ہوں۔

ٹیسٹا کہتی ہیں کہ رحمان صاحب ایک ناقابلِ شکست جرات، فکر کی گہرائی اور اِس سے بڑھ کر ایک متحرک حسِ مزاح کے مالک تھے۔

انڈیا پاکستان میں عوامی رابطہ

رحمان صاحب سنہ 1994 میں پاکستان انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی کے قیام کے وقت اس کے بانی شریک چیئرمین منتخب ہوئے تھے۔ اس فورم کا ایک چیئرمین پاکستان سے ہوتا تھا اور ایک انڈیا سے۔

یہ فورم انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنرل ضیا کی حکومت کے بعد 'ٹریک ٹو ڈپلومیسی' (غیر سرکاری سفارت کاری) کا پہلا قابلِ اعتبار پلیٹ فارم تھا جس نے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات میں بہتری کی نئی داغ بیل ڈالی تھی۔

اس سے قبل سنہ 1990 میں وہ انسانی حقوق کی رہنما مرحومہ عاصمہ جہانگیر کے ساتھ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے بانی ڈائریکٹر بنے جس سے وہ آخر وقت تک وابستہ رہے۔

رحمان صاحب کو سنہ 2004 میں میگسے سے ایوارڈ فار پیس سے نوازا گیا تھا۔ گزشتہ تیس برس سے ان سے وابستہ رہنے والے صحافی عدنان عادل کہتے ہیں کہ اس ایوارڈ کے ساتھ ملنے والی رقم کی بدولت وہ اپنا ذاتی مکان تعمیر کر سکے۔

اس سے قبل وہ لاہور کے ٹیمپل روڈ پر کرائے کے ایک فلیٹ میں رہتے تھے۔

انسانی حقوق کا دفاع

پاکستان میں انسانی حقوق کی تنظیم، ایچ آر سی پی کی مطابق، رحمان صاحب حال ہی میں ایذا رسانی و دہشتگردی پر اذیت رسانی کے خلاف عالمی ادارے (او ایم سی ٹی) کے قائم شدہ ورکنگ گروپ کے رکن تھے۔

پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے عوامی کمیشن کے سرپرست اعلیٰ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ وہ اُن چند لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے 1971 میں بنگلہ دیش (تب مشرقی پاکستان) میں فوجی کارروائی کی مخالفت کی تھی۔ اُس

وقت مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کی حمایت کرنا حب الوطنی قرار دیا جاتا تھا۔

جب جنرل ضیا الحق کی فوجی حکومت کے دوران شہری آزادیاں صلب ہوئیں تو احتجاج کی وجہ سے ملازمت سے برخاست ہوئے اور قید کر دیا گیا۔

صحافتی کیریئر

اُن کا انتقال نوے برس کی عمر میں ہوا۔ اور اس میں ستر برس کے صحافتی زندگی کے بے داغ کیریئر کے دوران انھوں نے فلم، ادب، سپورٹس، سیاست اور انسانی حقوق جیسے موضوعات پر کئی مقالے لکھے۔ انھوں نے فلمی نقاد کی حیثیت سے صحافت کا آغاز کیا تھا۔

جبری گمشدگیوں کی مخالفت، سزائے موت اور جبری مشقت، یا عورتوں، بچوں، اور مذہبی ولسانی اقلیتوں کے حقوق کے لیے نہ صرف قلم اٹھایا بلکہ عملاً سرگرم بھی رہے۔

آئی اے رحمان نے سنہ ساٹھ کی دہائی سے پاکستان میں اپنے صحافتی کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ اُن کے ابتدائی دور کے دوستوں میں ظفر اقبال مرزا (زِم) تھے جو بعد میں 'لاہوری' کے نام سے کالم لکھتے رہے اور پھر انگریزی روزنامہ ڈان کے لاہور کے ریزیڈنٹ ایڈیٹر بنے۔

لندن میں مقیم بائیں بازو کے دانشور پروفیسر امین مغل کہتے ہیں کہ پاکستان ٹائمز اور ٹرسٹ کے اُس وقت کے اردو اخبار امروز سے وابستہ طاہر مرزا، شفقت تنویر مرزا، کراچی کے سلیم عاصمی، عبداللہ ملک اور حمید اختر اُن کے دوستوں میں شامل تھے۔

مغل صاحب کہتے ہیں کہ رحمان صاحب کو یحیٰی خان کے زمانے میں صحافیوں کی ایک ہڑتال میں شریک ہونے کی وجہ سے پاکستان ٹائمز سے نکال دیا گیا تھا۔ رحمان صاحب کئی ماہ تک بے

> **عدنان عادل جنھوں نے، ویو پوائنٹ سے لے کر ایچ آر سی پی تک آئی اے رحمان کے ساتھ مختلف حیثیتوں میں کام کیا، کہتے ہیں کہ وہ بہت قاموسی (انسائیکلوپیڈک) شخصیت کے حامل تھے۔ 'وہ کسی بھی موضوع پر بہترین مقالہ لکھ سکتے تھے۔'' ویو پوائنٹ میں وہ صبح صبح آتے اور جو بھی انھیں موضوع دیا جاتا اس پر ایک آدھ گھنٹے میں ہزار الفاظ کا انگریزی میں ایک آرٹیکل لکھ دیتے تھے۔ وہ خالد احمد (صحافی) کی طرح بہت ہی سہولت اور تیزی سے آرٹیکل لکھتے تھے۔**

روزگار رہے۔

بعد میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے زمانے میں فلم انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان کے ایک جریدے کا آغاز ہوا تھا جس کا رحمان صاحب کو ایڈیٹر بنا دیا گیا لیکن وہ پھر پاکستان ٹائمز چلے گئے۔

لیکن جب اُسی دور میں بائیں بازوں کے انگریزی ہفت روزہ ویو پوائنٹ کا آغاز ہوا تو رحمان صاحب اس سے وابستہ ہو گئے۔ جب سنہ 1988 میں بے نظیر بھٹو کی حکومت بنی تو انھوں نے رحمان صاحب کو پاکستان ٹائمز کا ایڈیٹر ان چیف اور عزیز صدیقی کو ایڈیٹر بنا دیا تھا۔

سندھ میں ایم آر ڈی کی تحریک

آئی اے رحمان تحریک بحالیِ جمہوریت کے دوران ویو پوائنٹ میں کام کرتے تھے۔ امین مغل کے مطابق سنہ 1983 میں جب خیر پور ناتھن شاہ میں فوجی فائرنگ سے درجنوں افراد ہلاک ہوئے تھے تو اُس وقت پنجاب کے دانشوروں اور صحافیوں نے ایک احتجاجی خط لکھنے کا پروگرام بنایا۔

امین مغل کے مطابق الطاف احمد قریشی (جواب پیپلز پارٹی کے رہنما ہیں) مرحوم صفدر میر (زینو کے نام سے کالم لکھتے تھے)، رحمان صاحب اور مرحوم شفقت تنویر مرزا نے اس مشترکہ خط کے لکھنے کی ذمہ داری ان (امین مغل) کو دی۔

'میں نے ایک قدرے نرم مسودہ تیار کیا تا کہ اس پر زیادہ سے زیادہ ہم خیال دانشور دستخط کریں۔ لیکن جب شام کو مسودے پر دوسرے ساتھیوں نے غور کیا تو اُن کی رائے میں یہ مسودہ بہت نرم تھا۔ اس لیے اُس مسودے میں تبدیلی کا کام آئی اے رحمان کو دیا گیا۔'

'رحمان نے مسودے کو تبدیل کرتے ہوئے سخت زبان استعمال کی۔' پروفیسر امین کے مطابق رحمان نے لکھا کہ 'سندھ کے عوام حریت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔' اس مسودے پر کئی دستخط ہو گئے، کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

امین مغل کے بقول جب یہ مسودہ دستخط کے لیے روزنامہ مشرق کے اُس وقت کے ایڈیٹر ضیا الاسلام انصاری کے پاس گیا تو اُس نے اعتراض کیا کہ یہاں 'حریت' کا لفظ ہے جس کی وجہ سے وہ دستخط نہیں کریں۔ اس وجہ سے یہ خط کئی لوگوں کی برطرفی کا باعث بنا تھا۔

چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا

عدنان عادل جنھوں نے، ویو پوائنٹ سے لے کر ایچ

آر سی پی تک آئی اے رحمان کے ساتھ مختلف حیثیتوں میں کام کیا، کہتے ہیں کہ وہ بہت قاموسی (انسائیکلوپیڈک) شخصیت کے حامل تھے۔ 'وہ کسی بھی موضوع پر بہترین مقالہ لکھ سکتے تھے۔'

'ویو پوائنٹ میں وہ صبح صبح آتے اور جو بھی انھیں موضوع دیا جاتا اس پر ایک آدھ گھنٹے میں ہزار الفاظ کا انگریزی میں ایک آرٹیکل لکھ دیتے تھے۔ وہ خالد احمد (صحافی) کی طرح بہت ہی سہولت اور تیزی سے آرٹیکل لکھتے تھے۔'

جب سینیئر صحافی عزیز صدیقی کا انتقال ہوا تو اُن کی روایتی تجہیز و تکفین ہوئی۔ مولوی صاحب نے نمازِ جنازہ

ڈیموکریٹک سٹوڈنٹس فیڈریشن (ڈی ایس ایف) کے بانی رہنما، ڈاکٹر سرور کے سلسلے میں جنوری 2021 میں ایک تقریب میں شرکت ان کا کراچی کا آخری سفر تھا۔

پڑھائی، قبر میں قبلہ منہ لٹایا۔ یہ سب باتیں مولوی صاحب کے لیے عجوبہ سے کم نہیں تھیں۔

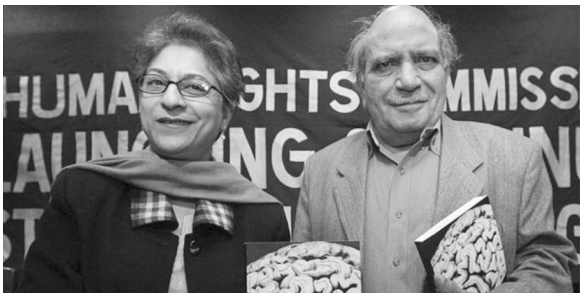

مولوی صاحب نے الگ لے جا کر رحمان صاحب کو کہا کہ وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کسی دہریے کا جنازہ ہے۔ 'پر آپ تو ہم جیسے ہی ہیں۔' اس پر رحمان صاحب نے مزاح کے انداز میں کہا' میں تو آپ سے بھی ایک قدم آگے ہوں۔'

رحمان صاحب روایتاً احراری نظریات کے حامی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کٹر مذہبی تھے۔ لیکن بہت روادار اور مل جُل کر رہنے والی ثقافت کے امین تھے۔

حکومت اور اپوزیشن 'ایک پیج پر'

ایچ آر سی پی کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق نے کہا کہ آئی اے رحمان جیسے عوامی دانشور کا متبادل ڈھونڈنا ناممکن ہے۔ 'وہ بے آوازوں کی آواز بنے اور ستم زدوں کے لیے امید کی کرن ثابت ہوئے۔'

حارث خلیق کہتے ہیں کہ اگرچہ حکومت رحمان صاحب

کے نظریات پر عمل نہیں کرتی ہے، تاہم انھیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ انھیں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے حکومت اور اپوزیشن دونوں ہی ایک پیج پر ہیں۔

رحمان صاحب کے مزاح پر بات کرتے ہوئے حارث خلیق نے کہا کہ 'ایک دو ماہ پہلے کی بات ہے کہ انھوں نے مجھے یاد دلانا تھا کہ میں کافی عرصے سے ایچ آر سی پی کے دفتر نہیں آیا ہوں۔ اصل وجہ تو کووڈ تھا اور میں اسلام آباد میں رہتا ہوں جب کہ ایچ آر سی پی کا مرکزی دفتر لاہور میں ہے۔'

'تاہم رحمان صاحب نے فون کر کے کہا کہ بھئی آپ نے تو لاہور کو پنڈ (گاؤں) سمجھ لیا ہے۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ تو بولے جب پنڈ کا لڑکا پڑھ لکھ کر شہر چلا جاتا ہے تو صرف بقرا عید پر ہی گھر آتا ہے۔'

حارث خلیق کہتے ہیں کہ رحمان صاحب بذلہ سنج شخص تھے۔ جہاں وہ علم و فضل اور عمل کے لحاظ سے بڑی شخصیت تھے وہیں وہ اپنی گفتگو میں شائستگی کا اعلیٰ معیار بھی برقرار رکھتے تھے۔

'جب کبھی لوگ ان کی ذات کا مذاق اڑاتے وہ پھر بھی مشتعل نہیں ہوتے تھے۔ انھوں نے فکری یا سیاسی اختلافات کو کبھی بھی ذاتی عناد میں تبدیل نہیں کیا۔ وہ مخالف اور دوست سب کا احترام کرتے۔'

وضع داری

رحمان صاحب کو نہاری کھانے کا بہت شوق تھا۔ عدنان عادل ان کے لیے کبھی کبھار لوہاری میں اپنے گھر کے قریب ریستوران سے نہاری خرید کر لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن جب وہ نہاری لے کر گئے تو رحمان صاحب ناشتہ کر چکے تھے۔

رحمان صاحب نے پہلے تو کہا کہ 'آپ بچوں کے ساتھ کھا لیں، میں تو سیر ہو چکا ہوں۔' لیکن تھوڑی دیر بعد آئے اور نہاری کھانے کے لیے شامل ہو گئے۔ 'ممکن ہے وہ وضع داری میں نہاری کھانے میں شامل ہو گئے ہوں۔'

رحمان صاحب کو نہاری کھانے کا بہت شوق تھا۔ عدنان عادل ان کے لیے کبھی کبھار لوہاری میں اپنے گھر کے قریب ریستوران سے نہاری خرید کر لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن جب وہ نہاری لے کر گئے تو رحمان صاحب ناشتہ کر چکے تھے۔ رحمان صاحب نے پہلے تو کہا کہ 'آپ بچوں کے ساتھ کھا لیں، میں تو سیر ہو چکا ہوں۔' لیکن تھوڑی دیر بعد آئے اور نہاری کھانے کے لیے شامل ہو گئے۔ 'ممکن ہے وہ وضع داری میں نہاری کھانے میں شامل ہو گئے ہوں۔'

رحمان صاحب کے کئی دوست ایک بات پر متفق ہیں وہ یہ کہ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے ساتھ وہ اپنے سماجی میل جول کے لیے بھی وقت نکالتے تھے۔ شادی بیاہ، موت و بیماری وہ ہر موقع پر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے ملنے جاتے تھے۔

'غیر مسلم اور الحمدللہ'

انسانی حقوق کی تنظیم ایچ آر سی پی کی سابق چیئر پرسن، کراچی سے تعلق رکھنے والی زُہرہ یوسف کہتی ہیں کہ رحمان صاحب عموماً گیسٹ سپیکر کے طور پر کراچی آتے تھے اور ان کے پاس وقت ہمیشہ بہت کم ہوتا تھا۔

'لیکن ہم حیران ہوتے تھے کہ اتنا کم وقت گزار کر جب وہ کراچی سے واپس لاہور چلے جاتے تو کئی لوگ بتاتے کہ رحمان صاحب سے ملاقات ہوئی تھی، یا وہ ہمارے گھر تشریف لائے تھے۔'

اُن کی حسِ مزاح کے بارے زُہرہ یوسف کہتی ہیں کہ ایک بار رمضان کے دنوں میں رحمان صاحب میرے ساتھ کسی سے ملنے جا رہے تھے۔ جب منزلِ مقصود پر پہنچے تو شام کا وقت ہو چکا تھا۔

'میں نے اپنے ڈرائیور سے کہا اب تم جا کر کھانا کھا لو۔ رحمان صاحب نے ساتھ ہی کہا کہ جاؤ بیٹا افطاری کر لو۔ میں نے کہا کہ یہ غیر مسلم ہے۔ تو مسکرائے اور دھیمے سے کہا "الحمدُ اللہ!""

خراجِ تحسین

ایچ آر سی پی کی چیئر پرسن حنا جیلانی نے آئی اے رحمان کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے جو میراث چھوڑی ہے وہ انسانی حقوق کا دفاع کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

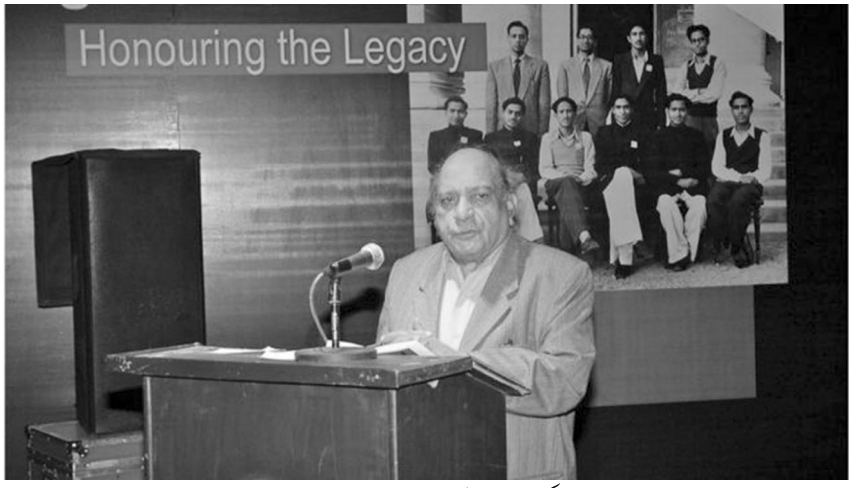

'(اس میراث سے) انسانی حقوق، جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے احترام کی قدر پیدا ہوئی ہے بلکہ جن عناصر کو انہوں نے تنقید کا ہدف بنایا ان پر بھی یہ باور ہوا کہ ان کا کردار سماج کے انتہائی پسے ہوئے طبقوں کے لیے کس حد تک نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔'

امریکہ میں مقیم سینیئر صحافی اور دی نیوز آن سنڈے کی بانی ایڈیٹر بینا سرور کہتی ہیں کہ 'عاصمہ جہانگیر کے بعد یہ انسانی حقوق کا دفاع کرنے والوں کے لیے دوسرا بڑا صدمہ ہے۔'

'لیکن دونوں ہی اتنی خوش مزاج شخصیات تھیں کہ ان کو یاد کرتے ہی ان کے چہروں پر مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک یاد آ جاتی ہے۔'

اسلام آباد کے ممتاز صحافی اور تجزیہ نگار ضیاالدین احمد کہتے ہیں کہ انھیں رحمان صاحب کے ساتھ اکھٹا کام کرنے کو موقع نہیں ملا، لیکن وہ ان کو انسانی حقوق اور خطے میں امن کی کوششوں میں اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں۔

دی فرائیڈے ٹائمز کی ایڈیٹر آئمہ کھوسہ کہتی ہیں کہ انھیں رحمان صاحب کے ساتھ مختلف اجلاسوں میں ملنے کا موقع ملا ہے۔ 'آج کے دور میں وہ انسانی حقوق کا دفاع کرنے والی بہت بڑی شخصیت تھے۔'

'اگلی ملاقات تک خدا حافظ'

ٹیٹا ستلواد کہتی ہیں کہ وہ اور ان کے والدین اتُل اور سیتا دونوں رحمان صاحب کے ساتھ خطے میں امن کے حامی تھے۔

'آج اُن کی شرارت بھری مسکراہٹ اور چمکتی آنکھوں کو یاد کر کے آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے ہیں۔'

رحمان صاحب اور ٹیٹا دونوں کو نیورمبرگ کا انسانی حقوق کا ایوارڈ سنہ 2003 میں مشترکہ طور پر دیا گیا تھا۔

ٹیٹا کہتی ہیں 'رحمان صاحب، اگلی ملاقات تک خدا حافظ۔'

(بشکریہ بی بی سی اردو، لندن)

محروم طبقات کی آواز آئی اے رحمان

اسرارالدین اسرار

2003 کے بعد جب جب ہم ایچ ارسی پی کے لاہور میں واقع مرکزی دفتر سالانہ اجلاس میں شرکت یا کسی کام سے جاتے تو دو بزرگوں کو دیکھ کر دل خوش ہوتا اور انسانی حقوق کے کام میں دلچسپی بڑھ جاتی تھی۔ حسین نقی صاحب پاکستان بھر کے انسانی حقوق کے کارکنوں سے براہ راست رابطہ میں ہوتے تھے، اس لئے انسانی حقوق کے ہر نئے کارکن کی پہلی شناسائی حسین نقی سے ہوتی تھی۔ ہماری پہلی ملاقات اور شناسائی بھی حسین نقی سے ہوئی۔

جب مجھے حسین نقی صاحب نے گلگت میں ایچ آر سی پی کی ذمہ داریاں سونپیں تو ساتھ ہی سالانہ اجلاس اور تربیتی ورکشاپس میں بلانے لگے۔ شروع شروع میں جب ایچ آر سی پی کے دفتر جاتے تو ہر اجلاس، سیمنار، کانفرنس یا ورکشاپ کے دوران ہم مقررین کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے۔ اس دوران اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اچانک آگے سے آواز آتی، رحمان صاحب آگے آجائیں۔ تمام شرکاء پیچھے مڑ کر دیکھتے، ایک منکسر المزاج، اور دھیمی طبعیت کے بزرگ پچھلی نشستوں میں بیٹھے ہوتے تھے۔

منتظمین کے اصرار پر آہستہ آہستہ آگے کی طرف آجاتے اور اگلی نشست پر بیٹھ جاتے یا اکثر کہتے کہ جی میں ادھر ہی ٹھیک ہوں، آپ جاری رکھیں۔ یہ تھے ایچ آر سی پی کے سربراہ اور استاد الاساتذہ ابنِ عبدالرحمان صاحب جو کہ آئی اے رحمان کے نام سے پوری دنیا میں جانے جاتے تھے۔ رحمان صاحب شروع میں ایچ آر سی پی کے ڈائریکٹر تھے۔ بعد میں سکریٹری جنرل بن گئے اور چند سال قبل جب سکریٹری جنرل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے تو اُن کو اعزازی ترجمان کا عہدہ سونپا گیا جس کے ساتھ اپنی وفات یعنی 12 اپریل 2021 تک وابستہ رہے۔

وقت کے ساتھ جوں جوں ہمارا ایچ آر سی پی کے ساتھ رشتہ مضبوط ہوتا گیا اسی طرح رحمان صاحب سے بھی بارہا ملاقاتوں، بات چیت اور رابطوں کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ 2009 میں جب گلگت میں ایچ ارسی پی کا دفتر قائم ہوا تو رحمان صاحب کی اجازت سے نقی صاحب نے مجھے دفتر سنبھالنے کی ذمہ داریاں سونپ دی۔ ایک ملاقات میں رحمان صاحب نے مجھے کہا کہ ہمیں گلگت میں آپ کی ضرورت ہے۔ رحمان صاحب کے یہ الفاظ میرے لئے ایک بڑے اعزاز سے کم نہیں تھے، اس لئے میں نے ایچ آر سی پی سے اپنا رشتہ مستقل اور مضبوط کر لیا۔

رحمان صاحب بہت بڑے انسان تھے مگر ہم ان کے سامنے جاتے تو اُن کی پدرانہ شفقت ایسی ہوتی کہ ہم بچوں کی طرح اُن سے بے تکلف ہو جاتے۔ ہم اُن کو رحمان صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ اُن سے ہر وقت بہت کچھ سیکھنے کو ملتا تھا۔ ہم اُن کی عاجزی اور انکساری کے سحر میں کھو جاتے تھے۔ رحمان صاحب چلتی پھرتی لائبریری تھے۔ جس موضوع پر جس وقت بھی اُن سے بات کی جائے، اُن کے پاس معلومات کا پورا ایک خزانہ ہوتا تھا۔ وہ بڑی فراخ دلی سے علم منتقل کرتے تھے۔ ہم نے بے شمار موضوعات پر اُن کے لیکچرز، تقاریر، تحاریر کے علاوہ تربیتی نشستوں، ملاقاتوں اور دورانِ سفر اُن کے علم سے استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

رحمان صاحب اسّی سال سے زائد عمر میں بھی صبح شام کام میں مصروف ہوتے تھے۔ سب سے پہلے دفتر آتے اور رات گئے دفتر میں کام کرتے رہتے۔ طویل سفر کے باوجود اگر دن کے وقت لاہور پہنچ جاتے تو گھر جانے اور آرام کرنے کی بجائے سیدھے دفتر جاتے تھے اور اپنے کام میں لگ جاتے۔

ایک دن لاہور میں رحمان صاحب کے ساتھ فیض گھر جا رہے تھے، راستے میں میں نے اُن سے پوچھا سر گھر کا مطلب کیا ہے۔ رحمان صاحب مسکرائے اور کہنے لگے گھر کا تصور خاندان کے بغیر ممکن نہیں، ایک خاندان کے افراد جس عمارت میں مقیم ہوں اس کو گھر کہا جاتا ہے ورنہ وہ صرف عمارت یا مکان کہلائے گا مگر گھر نہیں کہلائے گا۔

ایچ آر سی پی ہمارا گھر ہے اور رحمان صاحب اس گھر کے سربراہ تھے۔ رحمان صاحب کی رحلت سے ایچ آر سی پی یتیم ہو گیا ہے۔ گلگت سے کراچی تک ایچ آر سی پی فیملی کا ہر ممبر رحمان صاحب کی وفات پر اشک بار اور سوگوار ہے۔ رحمان صاحب کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہیں ہو سکتا۔ ایچ آر سی پی اُن کی کمی ہمیشہ محسوس کرتا رہے گا۔ رحمان صاحب محبت اور شفقت کے پیکر تھے۔ آپ ملک بھر سے آنے والے انسانی حقوق کے ایک ایک کارکن سے محبت اور شفقت کا اظہار کرتے۔

غریبوں اور پسے ہوئے طبقات سے صرف تحریروں یا تقریروں میں اظہارِ ہمدردی نہیں کرتے بلکہ عملی طور پر شفقت کا اظہار کرتے۔ خنجراب سے گوادر تک اُن کو ہر مسئلے کا علم تھا اور ہر مظلوم کے لئے فکرمند رہتے تھے۔ ملک میں انسانی حقوق کی ہر خلاف ورزی اُن کو تکلیف دیتی تھی مگر وہ مجسم حوصلہ تھے اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اپنا فرض سمجھتے تھے اور اپنے چاہنے والوں کو بھی یہ تحریک دیتے تھے۔

رحمان صاحب غریب پرور اور انسان دوست تھے۔ وہ

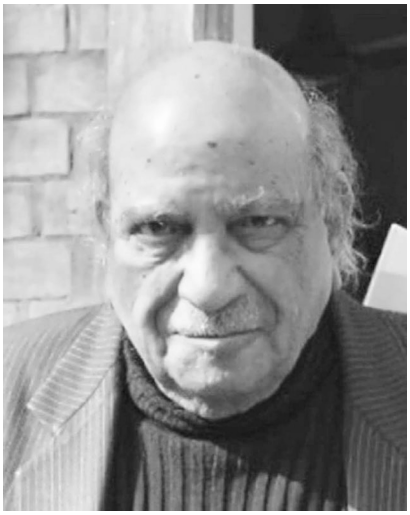

غریب، پسے ہوئے اور محروم طبقات کے رحمان تھے۔ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے شکار تمام متاثرین کی ایک توانا آواز تھے۔ وہ کبھی مایوسی کو قریب آنے نہیں دیتے تھے۔ انسانی حقوق کے کارکنوں کے لئے وہ ایک امید اور سہارا تھے۔ ان کو کبھی بھی ہم نے دکھ اور غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ ہوتی تھی جو ملک میں انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والوں کے لئے اُمید کی ایک کرن ثابت ہوتی تھی۔

اُن کی شخصیت میں ایک توازن تھا، اُن کو کبھی ہم نے جذبات کی رو میں بہتے ہوئے نہیں پایا۔ اُن کا سب سے بڑا ہتھیار دلیل اور علم تھا۔ وہ اپنی ہر بات مہذب لہجے اور الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ شکایات کے علاوہ حکومت اور معاشرہ کے اچھے کاموں کو بھی اجاگر کرتے رہنا چاہیے۔ ان کی تنقید اور غصّہ بھی تہذیب اور شائستگی سے بھرپور ہوتا تھا۔

حفیظ بزدار بتا رہے تھے کہ ایک دن حسین نقی صاحب نے اپنے دفتر میں کسی سرکاری اہلکار پر سخت غصّہ کیا جس کی آواز اُوپر والی منزل پر رحمان صاحب کے دفتر میں سنائی دی۔ کچھ دیر بعد جب بزدار صاحب رحمان صاحب کے دفتر کسی کام سے گئے تو رحمان صاحب نے مخصوص تبسّم کے ساتھ پوچھا کہ نیچے دفتر میں شاہ صاحب آج کیوں اتنے جلال میں آئے ہیں؟

نقی صاحب اور رحمان صاحب گہرے دوست تھے لیکن ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے۔

رحمان صاحب سے ہر ملاقات میں ان کے لئے محبت اور احترام کا جذبہ بڑھ جاتا تھا۔ اتنے بڑے مصنف، صحافی اور دانشور تھے، دنیا بھر اور بالخصوص جنوبی ایشیا میں اُن کی بڑی قدر

اورشہرت تھی مگر شخصیت میں انکساری کی انتہا تھی۔ ہمیشہ شیریں گفتگو کرتے۔ مزاح کا پہلو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ سخت سے سخت بات نرم لہجے اور خوبصورت الفاظ میں کہہ دیتے۔ ہمیں انہوں نے یہ احساس نہیں دلایا کہ وہ ہمارے انتظامی سربراہ ہیں۔ وہ ایک شفیق باپ کی طرح پیش آتے تھے۔

اُن کی تحریر جس طرح مدلل ہوتی، اسی طرح ان کی گفتگو بھی جامع اور مدلل ہوتی تھی۔ ایک جملے میں پوری بات سمو دیتے تھے۔ ان کے پاس ہر سوال کا فوری جواب ہوتا تھا۔ ہر مشکل سوال ان کے سامنے رکھ دیتے، ان کے پاس اس کا آسان اور قابلِ فہم جواب ہوتا۔ ہمارے لئے اعزاز سے کم نہیں تھا کہ دنیا بھر میں پاکستان کی پہچان آئی اے رحمان کا دستِ شفقت ہمارے سر پر تھا۔ مگر آج مجھ سمیت پاکستان کے ہزاروں انسانی حقوق کے کارکن، صحافی، کالم نگار اور مصنفین اس دستِ شفقت سے محروم ہو گئے ہیں۔

رحمان صاحب مجھے پیار سے امیر گلگت کہتے تھے۔ جب بھی ملتے آنکھوں میں ایک چمک آتی، میرے ساتھ ہاتھ ملاتے اور کندھے پر ہاتھ رکھتے اور پوچھتے تھے گلگت کے حالات کیسے ہیں؟ کبھی مزاح کے موڈ میں ہوں تو پوچھتے تھے کہ آپ ادھر ہیں، گلگت کس کے حوالے کر کے آئے ہیں؟ صبر وتحمل، انکساری، رواداری، شائستگی، ادب اور خوبصورت لہجے میں بات کرنے میں اُن کو کمال مہارت حاصل تھی۔

ایک ورکشاپ میں گلگت سے آئے ہوئے شرکاء نے ان سے کوئی سوال پوچھا، میں اتفاق سے رحمان صاحب کے ساتھ بیٹھا تھا، کہنے لگے ہم نے گلگت بلتستان کی ذمہ داری ایسے فرد کو سونپی ہے جس کو وہاں کے ہر مسئلے کا علم ہے، میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ آپ ان سے گلگت بلتستان سے متعلق ہر سوال پوچھ سکتے ہیں۔ مجھے اپنی کم مائیگی کا مکمل ادراک تھا لیکن رحمان صاحب کا یہ وتیرہ تھا کہ وہ مجھ جیسے کم علم کا بھی حوصلہ بڑھاتے اور اس کو تحریک دیتے تھے۔

گلگت بلتستان کی محرومیوں پر ہم سے بات کرتے رہتے۔ جی بی او بیزنیس فورم کے مختلف سیمینارز سمیت گلگت بلتستان کے سیاسی وانسانی حقوق کے موضوع پر جہاں بھی ان کو بات چیت کے لئے بلاتے ضرور تشریف لاتے اور اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ ملک کے تمام حصوں کی طرح گلگت بلتستان میں ایچ آر سی پی کے کام میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔

ایک دفعہ رحمان صاحب کے ساتھ اکٹھے سری لنکا جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ ساتھ رہتے، ساتھ کھانا کھاتے اور گھومنے چلے جاتے۔ اِس دوران رحمان صاحب کی کچھ خدمت کا بھی موقع ملا۔ ہمارے اصرار پر اُنہوں نے جڑی بوٹیوں کے تیل سے اپنے پاؤں کی مالش کرانے کی ہامی بھر لی، ہم نے اکٹھے وہاں کے مقامی طریقہ سے ناریل کا سوراخ کر کے اس میں اسٹرا ڈال کر ناریل کا پانی بھی پیا اور کئی پرفضاء مقامات کی سیر سے لطف اندوز بھی ہوئے۔ دورانِ سفر کئی مقامات پر میں اُن کو سہارا دیتا رہا اور وہ مجھا اپنے بچوں کی طرح پیار دیتے رہے۔

میں جب بھی لاہور جاتا، اُن سے ایک دفعہ گلگت تشریف لانے کی درخواست اور اصرار کرتا تھا۔ فیکٹ فائنڈنگ کے لئے رحمان صاحب حنا جیلانی صاحبہ اور مرحوم کامران عارف صاحب کے ہمراہ 2019 میں سکردو اور گلگت کے پانچ روزہ دورے پر تشریف لائے۔ یہاں ہر طبقہ فکر کے لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور مسائل کی تفصیلات لی۔ میں اُن کے ساتھ ساتھ رہا۔ ہنزہ میں فرمائش کر کے مقامی روایتی کھانا تیار کرایا جو کہ اُن کے ذوق کے عین مطابق مرچ اور تیل کے بغیر تھا جس پر اُنہوں نے میرا خاص طور سے شکریہ ادا کیا۔ اپنے دورے میں گلگت بلتستان کے قدرتی مناظر اور یہاں کے لوگوں کی خوب تعریف کی۔

ہنزہ سے واپسی پر کہنے لگے کہ گلگت بلتستان میں ہر جگہ ایک ویو (View) ہے۔ اس لئے یہاں ہر ہوٹل اور ہر ریسٹورینٹ کے ساتھ ویو (نظارہ) کا لفظ جوڑا جاتا ہے۔ ویو ہٹایا جائے تو یہاں کی وہ اہمیت نہیں رہے گی جو اس وقت اس کی ہے۔

رحمان صاحب کی جدائی ہمارے لئے ناقابلِ یقین ہے۔ ہم رحمان صاحب کے دائمی سکون کے لئے دعا گو ہیں اور پسماندگان سے تعزیت اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

آئی اے رحمان: عہدِ حاضر کا کمال انسان

زاہدہ حنا

اُن سے پہلی ملاقات سبطِ حسن صاحب کے لان پر ہوئی تھی مختصر قد کے ایک منکسر المزاج آدمی۔ یہ ابن عبدالرحمان تھے جو ساری دنیا میں آئی اے رحمان کے نام سے مشہور تھے۔

اُنھوں نے علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی، پاکستان آئے تو صحافت سے وابستہ ہوئے اور پھر یہ وابستگی اُنھیں ایک ایسے خار زار میں لے گئی جس کے کانٹے روز بہ روز نوکیلے اور زہریلے ہوتے گئے۔

رحمان صاحب خود کو گنگا جمنی تہذیب کا نمایندہ کہتے تھے۔ اُن کی رواداری اور انکساری اُنھیں ایک من موہنی شخصیت بنا دیتی تھی۔ وہ حسن پور، ہریانہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی۔ بٹوارا ہوا تو پاکستان آ گئے۔ یہاں سے اُن کی وہ زندگی شروع ہوئی جو بہت سے لوگوں کے لیے ایک مثال بن گئی۔

آج پاکستان بھر میں اُن کے کتنے ہی دوست، شاگرد اور چاہنے والے پھیلے ہوئے ہیں، وہ اُن کی جدوجہد اور ان کی زندگی پر رشک کرتے ہیں۔ اُن کی چھتر چھایا میں کتنے ہی لوگوں نے اپنے قامت نکالے۔ رحمان صاحب سب کو مسکرا کر دیکھتے رہے، اُن کی ہمت افزائی کرتے رہے۔ اُن کے لیے خوش دلی سے توصیفی کلمات کہتے رہے۔ وہ لوگ جو اُن جیسا بننا چاہتے تھے، ان میں وہ ہمت نہیں تھی کہ آمروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکیں اور سچ بول سکیں۔

اُنھوں نے جنرل ایوب کی آمریت کا دور گزارا، جنرل ضیا الحق کے زمانہ اقتدار میں وہ بے نوا پاکستانیوں کی آواز بن گئے اور جنرل مشرف کی آمریت بھی انھوں نے سر اٹھا کر گزاری اور اپنے بعد والوں کو یہ سبق دیا کہ آمر بغل میں کتے دبا کر آئے یا شیروانی پہن کر، وہ ہوتا آمر ہی ہے اور اپنے بوٹوں سے انسانی حقوق کو روندتا چلا جاتا ہے۔

اُنھوں نے پاکستانی اقلیتوں اور عورتوں کے لیے ہر لحہ آواز بلند کی، اُن کا قلم کبھی ان کے حقوق کے لیے آواز بلند کرتے ہوئے نہیں جھجکا، وہ پاکستان، ہندوستان کے درمیان بہتر اور بہترین تعلقات کے خواہاں تھے۔ زندگی کے آخری تیس برس اُن کے اسی جدوجہد میں گزرے۔ انھوں نے ہندوستانی دانشور اور صحافی کلدیپ نائیر کی رخصت پر ایک امن کا علمبردار کے عنوان سے ایک کالم لکھا۔ یہ کالم 2 ستمبر 2018 کو روزنامہ ''ڈان'' میں شایع ہوا۔ رحمان صاحب کی رخصت کے بعد اِس کالم کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوا جیسے بعض حقائق کو چھوڑ کر وہ اپنا ہی وفاتیہ لکھ رہے ہیں۔

رحمان صاحب اُن لوگوں میں سے تھے جو یہ جانتے تھے کہ خطے سے غربت، بیروزگاری اور جہالت کا خاتمہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب پاکستان اور ہندوستان مشترک طور پر امن کو اپنا نصب العین بنائیں اور خطیر رقم غیر ترقیاتی شعبوں پر خرچ کرنے کے بجائے عام لوگوں کی بہبود پر خرچ کریں۔ ان ہی خوابوں کی تعبیر کے لیے اُنھوں نے پاکستان انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیما کریسی بنائی جس میں ان کے بہت سے ہم خیال شریک تھے۔ 1990 سے عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی کے ساتھ اُنھوں نے ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی بنیاد رکھی جو آج بین الاقوامی سطح پر ایک مؤقر ادارہ سمجھا جاتا ہے۔ عاصمہ جہانگیر کی ناوقت موت کے بعد یہ رحمان صاحب اور حنا جیلانی تھے جنھوں نے اِس ادارے کی سربراہی کی۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

آئی اے رحمان اپنے دور کے تمام انسانوں سے منفرد اور ممتاز تھے

انسانی حقوق کے عظیم دفاع کار اور نامور صحافی آئی اے رحمان کی وفات پر افسوس کرنے کے لیے ایک آن لائن تقریب کا اہتمام ہوا جس میں جنوبی ایشیا، انگلینڈ، شمالی امریکہ اور یورپ سے تعلق رکھنے والے صحافی، انسانی حقوق کے کارکنان، ماہرینِ تعلیم اور شعبہ قانون سے تعلق رکھنے والے افراد کی کثیر تعداد شریک تھی

ممتاز صحافی اور لکھاری اسیش رے نے گفتگو کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آئی اے رحمان ایسی شخصیت تھیں جنہوں نے دنیا بھر میں کئی انسانوں کو متاثر کیا۔ وہ ان میں سے ایک ہوں۔ بلاشبہ، رحمان صاحب انسانی حقوق اور صحافت کے میدان میں مثالی شخصیت تھیں اور بلاشبہ پاکستان اور ہندوستان کی درمیان امن کے بہت بڑے داعی تھے۔ اُن کی ایک خوبی جس کے بارے میں مجھے یقین تھا وہ یہ تھی کہ میں ان کے پاس جا سکتا تھا، انہیں سن سکتا تھا اور اس یقین کے ساتھ واپس آ سکتا تھا کہ مجھے اُن سے قابلِ بھروسہ معلومات اور تجزیہ ملے گا۔ اُنہوں نے ایسا خلاء چھوڑا ہے جو بہت مشکل سے پُر ہوگا۔

ایچ آر سی پی کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق کا کہنا تھا کہ آج وہ خود کو بہت غمزدہ بھی اور خوش قسمت بھی محسوس رہے ہیں۔ غم وخوشی کی دونوں کیفیتیں اُن پہ طاری ہیں۔ وہ غمزدہ ہیں جس کی وجہ بہت آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اُن سمیت بہت سے لوگوں نے کبھی بھی نہیں سوچا ہوگا کہ کبھی ایسا وقت بھی آئے گا کہ پاکستان رحمان صاحب کے بغیر ہوگا۔ اُن کی خواہش تھی کہ رحمان ہمیشہ زندہ رہتے۔ اور وہ خوش قسمت اس لیے ہیں کہ وہ اپنے بچپن کے دور سے رحمان صاحب کو جانتے تھے کیونکہ اُن کے والدین رحمان صاحب کے دوست تھے۔ اور اُنہیں شرف حاصل ہے کہ گذشتہ ڈیڑھ برس سے وہ اُن کے بہت قریب رہ کر کام کر رہے تھے۔ اور اس عرصہ کے دوران انہوں نے کبھی بھی ایسا کوئی کام نہیں کیا، کوئی پریس بیان نہیں دیا جب تک کہ رحمان صاحب نے اُسے منظور نہ کیا ہو۔ 'تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رحمان صاحب کی ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ایچ آر سی پی کس حد تک اُن پر منحصر تھا۔ 'ہم سب جانتے ہیں کہ وہ ایک عظیم انسان تھے۔ وہ سیاسی اعتبار سے مارکسی ہونے کے ساتھ ساتھ جمہوری اقدار پر مضبوط یقین رکھنے والی ہستی تھے۔ انسانی حقوق، بنیادی آزادیوں، محنت کشوں کے حقوق کے لیے اُن کی لازوال جدوجہد سب کے سامنے ہے۔ اور پھر اُن کے علم کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ادب، معیشت، سیاست، ثقافت، قانون، انسانی

حقوق کے عالمی قوانین سمیت ہر ایک موضوع کے متعلق مستند اتھارٹی تھے۔ وہ ایک انسائیکلو پیڈیا کی مانند تھے۔ اور جس انداز سے انہوں نے بے آوازوں کو آواز دی اور نظرانداز شدہ طبقوں کی نمائندگی کی۔ پھر اُن کی حسِ مزاح اُن کی شخصیت کا لازمی اور خوبصورت جز تھی۔ اُنہیں یقین تھا کہ ایک غیر منصفانہ اور ظالم دنیا میں جینے کے لیے سُر، شعر اور مزاح کا ہونا ضروری ہے۔ وہ کمال درجے کے شگفتہ مزاج تھے۔ ان سے ہم سیکھا کہ ہم غصہ کرنے سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ صحافت کی آزادی، پاکستان میں جمہوریت کا اطلاق، اور پرامن، خوشحال جمہوری جنوبی ایشیا: رحمان صاحب کے یہ تین خواب تھے جن کی تعبیر کے لیے اُنہوں نے اپنی پوری زندگی جدوجہد کی۔ ان تینوں کے ساتھ اُنہیں جنون کی حد تک لگاؤ اور انہوں نے ان پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ رحمان صاحب کے دیرینہ دوست پروفیسر امین مغل نے کہا کہ ہم سب کو علم ہے کہ تمام انسان منفرد ہیں مگر کچھ انسان دوسروں سے زیادہ منفرد ہیں۔ رحمان صاحب ایسے ہی شخص تھے۔ اُنہوں نے پاکستان میں بہترین فلمیں متعارف کروانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اُنہوں نے کچھ فلموں کے متن بھی لکھے، مگر بنیادی طور پر وہ پاکستان ٹائمز میں فلمی ناقد کی ذمہ داری انجام دے رہے تھے۔ پھر وہ بہت بڑے پائے کے صحافی بھی تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ایک صحافی کبھی بھی اپنا وقت ضائع نہیں کرتا کیونکہ جو کچھ بھی وہ دوسرے لوگوں میں دیکھتا ہے، وہ اسے اپنی صحافت میں استعمال کر سکتا ہے۔ وہ لوگوں کو شگفتہ مزاجی اور گرمجوشی سے ملنے ملانے والے انسان تھے۔ وہ خاموش طبع تھے، کم بولتے اور زیادہ سنتے تھے۔ کھیلوں میں اُن کی بہت دلچسپی تھی۔ شطرنج کے اچھے کھلاڑی تھے۔ حسِ مزاح کمال کی رکھتے تھے۔ ادبی سرگرمیوں میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ وہ لوگوں میں بہت مقبول تھے اور اُن کی مقبولیت کی بہت سی وجوہات تھیں۔ وہ لوگوں کی مشاورت کا مستقل ذریعہ تھے، نہ صرف اپنے سے کم عمر بلکہ بڑی عمر کے لوگوں کے لیے بھی۔ مثال کے طور پر میں نے محمود علی قصوری، مظہر علی خان، فیض احمد فیض جیسے لوگوں کو رحمان صاحب سے مشورے لیتے دیکھا ہے۔ بھٹو صاحب کے دور میں وہ ایک فلمی رسالے کے مدیر رہے۔ وہ پاکستان میں فلم کے موضوع پر اب تک کے تمام جرائد میں سے سب سے بہترین جریدہ تھا۔ اُنہوں نے ملک میں اچھی فلمیں متعارف کروانے کے لیے بہت کام کیا۔ رحمان صاحب کی ذات میں مختلف طرح کی خوبیاں اور صلاحیتیں مجتمع تھیں۔

عالمی غیر سرکاری ادارے اوپن سوسائٹی فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر برائے خصوصی اقدامات ایتھونی رِکٹر کہا کہ وہ غم کی اِس گھڑی میں سب سے پہلے رحمان صاحب کے اہلِ خانہ سے اظہار تعزیت کرنا چاہیں گے، کیونکہ بیشک وہ پاکستان میں بابائے انسانی حقوق تصور کیے جاتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک خاندان کے بابا بھی تھے۔ اُن کی رحمان صاحب سے پہلی ملاقات لگ بھگ بیس برس قبل ہوئی تھی۔ ہماری مشترکہ دوست عاصمہ جہانگیر نے رحمان صاحب سے میرا تعارف کروایا تھا۔ میں رحمان صاحب سے ایچ آر سی پی کے دفتر میں ملا تھا۔ حیران کن طور پر ڈائریکٹر کا دفتر بہت معمولی سا نظر آیا تھا۔ اُن کے اردگرد کاغذات، کتابیں، پنسلیں وغیرہ پڑی تھیں۔ انہوں نے میرے چائے کے لیے اپنے ڈیسک پر کچھ جگہ بنائی۔ مشرف کا دورِ حکومت تھا۔ آمریت کے اُن ایام میں حیران کن طور پر میں نے رحمان صاحب کی شکل میں ایک انسان کو بالکل بے خوف، بے لاگ، اور راستباز پایا۔ میں اُن کا شکرگزار ہوں کہ اُنہوں نے مجھے نہ صرف انسانی حقوق کے متعلق بتایا بلکہ ثقافت، ادب سے متعلق بھی اور میرے مطالعے کے لیے کئی کتابیں تجویز کیں۔ وہ نڈر، راستباز اور صاف گو ہونے کے ساتھ عقلمند اور شفیق بھی تھے۔ اور اپنی بات مزاح کی شکل میں بھی کرتے تھے۔ وہ اپنی نجی زندگی سے لے کر عوامی زندگی تک، ناقابلِ یقین حد تک پروقار، باضمیر اور باصبر انسان تھے۔ ایسے انسان جو ہم سب کے لیے قابلِ قدر ہیں۔ بلاشبہ، اپنے وقار کو قائم رکھنے کے لیے اِنہیں قربانیاں دینی پڑیں، انہیں جیل بھی جانا پڑا مگر وہ ایک باوقار اور آزاد انسان رہے۔ اِنہی وجوہ کی بنیاد پر وہ منفرد اور ممتاز تھے۔

ایچ آر سی پی کی چیئر پرسن حنا جیلانی نے کہا کہ وہ سب لوگ جو رحمان صاحب کو جانتے تھے، اُن کی وفات پر خود کو بہت تنہا محسوس کر رہے ہیں، اور نہیں جانتے کہ اپنا دکھ کیسے کم

کریں اور اس خسارے کا مداوا کیسے کریں۔ میرا رحمان صاحب کے ساتھ لگ بھگ چالیس برس کا تعلق تھا، اور میں اُن کی تمام یادیں شمار کرنا شروع کروں تو مجھے ایک بڑی کتاب لکھنی پڑے گی۔ میرے لیے رحمان صاحب انسانی حقوق کے ایک عظیم دفاع کار تھے۔ اُنہوں نے صرف نظریاتی طور پر ہی انسانی حقوق کی جدوجہد نہیں کی بلکہ عملی لحاظ سے بھی پیش پیش رہے ہیں۔ وہ صحافیوں کے حقوق اور آزادی اظہار کے لیے جیل بھی گئے۔ مقتدر حلقوں کے سامنے حق کی آواز بلند کی۔ اور ہر اُس صحافی کے حق میں کھڑے ہوئے جسے کسی قسم کے جبر کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ انسانی حقوق کے ہر اُس دفاع کار کے ساتھ کھڑے ہوئے جسے نشانہ بنایا گیا ہو۔ جب ہم کچھ عورتوں نے ضیاء الحق کی آمریت کی مزاحمت شروع کی اور ویمن ایکشن فورم کے تحت اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو ہر ایک واقعے اور تقریب کے بعد ہم رحمان صاحب کے پاس جاتیں اور انہیں تمام صورتحال سے آگاہ کرتیں تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا یہ جان کر کہ ملک کی عورتیں اپنے حقوق کے لیے کھڑی ہوگئی ہیں۔ جب کبھی ہمیں کوئی مشکل پیش آتی تو پھر بھی مشورے کے لیے اُن کے پاس جاتیں۔ ہمیں اپنی حکمت عملی طے کرنے کے لیے اُن سے بہت اچھی رہنمائی ملتی۔ وہ توانائی، حوصلہ افزائی اور رہنمائی کا بہت بڑا ذریعہ تھے۔ وہ ہم سب کے رہبر تھے۔

پروفیسر امرتیا سین نے رحمان صاحب کی موت پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری خواہش تھی کہ میں رحمان صاحب سے گفتگو کرتا۔ میری اُن سے گفتگو ہوتی رہتی تھی مگر لگتا ہے کہ وہ ناکافی تھی۔ میں اور زیادہ چاہتا تھا اور میرا یہ خواب ادھورا رہ گیا ہے۔ حنا جیلانی نے ابھی کہا ہے کہ وہ آپ کو اپنے تجربات بتاتے تھے، مزاح کا مظاہرہ کرتے تھے، ایسا نہیں لگتا تھا کہ وہ لیکچر دے رہے وہں۔ امرتیا سین نے کہا کہ 'میری درحقیقت خواہش ہے کہ وہ مجھے لیکچر دیتے۔' متحدہ ہندوستان نے بہت بڑے انسان پیدا کیے جو انسانیت، پیار، محبت، امن کا پیغام لے کر آئے جیسے کہ بھگت کبیر وغیرہ۔ رحمان صاحب اُنہی جیسے لوگوں میں سے ایک تھے۔ پھر وہ بہت بڑے صحافی تھے۔ پھر آپ دیکھیں کہ ہندوستان پاکستان سے اس لحاظ سے خوش قسمت تھا کہ یہاں انسانی حقوق کمیشن کے لیے قانون سازی ہوگئی مگر پاکستان میں ایسا نہ ہوسکا۔ وہاں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کو قانونی معاونت حاصل نہیں ہے۔ مگر یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اداروں کو چلانے کے لیے قیادت کی ضرورت بھی ہوتی ہے، اور ایچ آر سی پی اِس لحاظ سے خوش قسمت تھا کہ اسے رحمان صاحب جیسا قائد مل گیا۔ میرے خیال میں وہ انسانی حقوق کے کارکن اور دانشور تھے۔ لوگوں اور حکومت کے درمیان ربط تھے۔ پاکستان کے عوام اور ہندوستان کے عوام، اور بنگلہ دیش کے عوام کے درمیاں رابطے اور مکالمے کا ذریعہ تھے۔ رحمان صاحب کی ایک خاص خاصیت یہ تھی کہ مسئلہ پیدا ہونے پر پریشان ہونے کے بجائے اسے حل کرنے کے لیے سوچ بچار کرتے۔ اُس کا حل ڈھونڈتے۔ میرے خیال میں ہم جب تک زندہ ہیں اُنہیں یاد کرتے رہیں گے۔ مگر اُن کے کارہائے نمایاں کا جشن منانے کے لیے بھی ہمارے پاس بہت سے راستے ہیں۔

ممتاز صحافی ڈاکٹر ولیم کراؤلی نے کہا کہ رحمان صاحب منفرد طرح کے انسان تھے جن میں کئی خوبیاں یکجا تھیں۔ وہ ایک صحافی تھے، انسانی حقوق کے کارکن تھے، اُن کے پاس مختلف موضوعات پر مستند علم و معلومات ہوتی تھیں۔ اُن کی زندگی 65 برس کی مسلسل جدوجہد سے عبارت تھی۔ مختلف ادوار میں پاکستان کے فوجی آمروں کا مقابلہ کرتے رہے اور جب کبھی جمہوری حکمرانوں نے غیر جمہوری اقدامات کیے رحمان صاحب اُن کے خلاف بھی صف آراء ہوگئے۔ عملی صحافت سے فارغ ہونے کے بعد وہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سے وابستہ ہوگئے اور پھر اس ادارے کے استحکام و ترقی کے لیے جدوجہد کی۔ وہ حسین حسِ مزاح کے حامل انسان تھے۔ اُن میں بے شمار خوبیاں تھیں جو اُن کے اردگرد لوگوں کو متاثر کرتیں۔ ہم اُن کی کمی ہمیشہ محسوس کرتے رہیں گے۔

پاکستانی صحافی آئی اے رحمٰن کا 90 سال کی عمر میں انتقال

آئی اے رحمٰن پاکستان کے ممتاز انسانی حقوق کے کارکن اور صحافی تھے۔

پاکستانی صحافی اور انسانی حقوق کے کارکن آئی اے رحمٰن جو کئی عشروں تک فوجی آمروں کی مخالفت اور قانون کی حکمرانی اور جمہوریت کے لئے جدوجہد کرتے رہے، 12 اپریل کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ اُن کی عمر 90 برس تھی۔

آئی اے رحمٰن پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے اعزازی ترجمان اور سابق سیکریٹری جنرل تھے۔ اُن کے خاندان نے ڈان اخبار، جس کے لئے وہ کالم لکھتے تھے، کو بتایا کہ وہ ہائی بلڈ پریشر اور ذیابیطس کے مریض تھے۔

آئی اے رحمٰن نے پاکستان کی مذہبی اقلیتوں بشمول مسیحیوں اور ہندوؤں کے حقوق اور ملک کے توہین مذہب کے قوانین، جن میں سزائے موت کا کافی امکان ہوتا ہے، کے خلاف مسلسل آواز اٹھائی۔ اُن کا کہنا تھا کہ ان قوانین کو اکثر انتقام یا اقلیتوں اور سیاسی مخالفین کو نشانہ بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اُنہوں نے 2014ء میں نیویارک ٹائمز کو بتایا کہ "توہینِ مذہب ایک سیاسی جنگ بن چکی ہے۔ اب یہ ایک فوجداری یا مذہبی مسئلہ نہیں رہا۔ یہ ایک سیاسی مسئلہ بن چکا ہے جسے آوازوں کو دبانے اور خوف کا ماحول قائم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔"

آئی اے رحمٰن 2014ء میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سیکریٹری جنرل تھے۔ اُسی سال اُن کے بھتیجے راشد رحمٰن، جو ایک وکیل اور انسانی حقوق کے کارکن تھے، کو توہین مذہب کے مقدمے میں یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کا دفاع کرنے پر دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چند ہفتوں بعد کچھ مسلح افراد ملتان میں اُن کے دفتر میں گھس آئے اور اُنہیں گولی مار کر قتل کر دیا۔ مسٹر رحمٰن نے ڈان میں لکھا" اُس نے کسی کو مایوس نہیں کیا بلکہ جو لوگ اہم تھے اُنہوں نے اُسے مایوس کیا۔ جو بات زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ معاشرہ بظاہر ندامت اور ذمہ داری کے تمام احساسات سے محروم ہو چکی ہے۔"

ابنِ عبدالرحمٰن یکم ستمبر 1930ء کو ہندوستانی ریاست ہریانہ میں پیدا ہوئے۔ جب برطانوی ہندوستان دو آزاد ریاستوں، انڈیا اور پاکستان، میں تقسیم ہوا تو اُس وقت وہ ایک نوجوان تھے۔ اپس کے کئی سالوں بعد اُنہوں نے ان دو ایٹمی حریفوں، جو 1947ء کے بعد سے کئی جنگیں لڑ چکے تھے کے درمیان امن کے لئے جدوجہد کی۔

مسٹر رحمٰن پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا حصہ بننے سے پہلے کئی اخباروں بشمول دی پاکستان ٹائمز کے لئے لکھتے اور ادارت کرتے رہے۔ 11/9 کے حملوں کے بعد اُنہوں نے پاکستان میں انسدادِ دہشت گردی کی کاروائیوں کے خلاف مہم چلائی جن کے بارے میں اُن کا کہنا تھا کہ اُن کا مقصد حکومت کے ناقدین کو نشانہ بنانا تھا۔ اُن کی وفات پر سوشل میڈیا پر بڑے پیمانے پر غم اور افسوس کا اظہار کیا گیا اور کابینہ کے وزراء اور حزبِ اختلاف کے رہنماؤں دونوں نے صحافت اور انسانی حقوق کے لئے اُن کی کاوشوں کی تعریف کی۔ پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے ٹویٹ کیا کہ ملک '' ایک ایسی شخصیت سے محروم ہوگیا ہے جس نے رواداری، شمولیت، برابری اور وقار کے لئے جدوجہد کی۔ اُن کی اہلیہ توصیف رحمٰن 2015ء میں وفات پا گئی تھیں۔ سوگواروں میں دو بیٹیاں اور تین بیٹے شامل ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ واشنگٹن پوسٹ)

اُستاد آئی اے رحمٰن

حامد میر

آپ کا زندگی میں ایسے لوگوں سے ضرور واسطہ پڑتا ہے جو زبردستی آپ کا اُستاد بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اُستاد کے درجے پر خود بخود فائز ہونے کے بعد آپ سے عزت طلب کرتے ہیں۔ قسمت اچھی ہو تو زندگی میں ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جن کی شخصیت اور کردار سے آپ بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

ایسے لوگ زبردستی آپ کا اُستاد بننے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ آپ خود بخود اُنہیں اُستاد کا درجہ دے دیتے ہیں اور اُن جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ آئی اے رحمٰن بھی ایک ایسی ہی شخصیت تھے جنہیں میری نسل کے بہت سے صحافیوں نے خود بخود اپنا رول ماڈل بنا رکھا تھا۔ میں نے میدانِ صحافت میں قدم رکھا تو ضیاء الحق پاکستان میں سیاہ و سفید کے مالک تھے۔

یہ صحافت اور سیاست پر پابندیوں کا دور تھا۔ ہر کام میں زبردستی ہوتی تھی۔ زبردستی نمازیں پڑھانے اور اپنی عزت کرانے والے حکمرانوں کے اُس دور میں نثار عثمانی، احمد بشیر، حسین نقی اور آئی اے رحمٰن جیسے لوگوں کو ہم نے اپنا اُستاد بنالیا کیونکہ یہ لوگ آمر کے سامنے سچ بول اور لکھ رہے تھے۔

آئی اے رحمٰن صاحب کو پہلی دفعہ میں نے لارنس روڈ لاہور پر ہفت روزہ ''ویو پوائنٹ'' کے دفتر میں دیکھا۔ میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کا طالب علم تھا اور اپنے دوست آغا نوید مرحوم کے ساتھ وہاں ظفر یاب احمد کو ملنے جایا کرتا۔ مظہر علی خان کے اُس ہفت روزہ میگزین میں شفقت تنویر مرزا، حسین نقی اور آئی اے رحمٰن بھی کام کرتے تھے۔ ویو پوائنٹ میں سب لوگ بہت خاموشی سے اپنے کام میں منہمک رہتے لیکن یہاں کام کرنے والا ایوب دربدر ہمیں پورے شہر کی سیاسی خبریں سنا دیتا اور آخر میں یہ ضرور کہتا کہ ''اوئے بچ کے رہنا پکڑے نہیں جانا''۔

ایوب دربدر کے بار بار خبردار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ مارچ 1981 میں پی آئی اے کا طیارہ اغوا ہوا تو ویو پوائنٹ کا سارا عملہ گرفتار ہو گیا تھا۔ مظہر علی خان، آئی اے رحمٰن، حبیب جالب اور حمید اختر وغیرہ کو کوٹ لکھپت جیل بھیج دیا گیا۔ یہ سب لمبی قید کے بعد رہا ہوئے تو پھر سے ویو پوائنٹ نکالنا شروع کر دیا۔ جب ہم صحافی بنے تو اُن سب بزرگوں کو بڑی رشک بھری نظروں سے دیکھتے تھے جنہوں نے مارشل لاء دور میں قید کاٹی اور کوڑے کھائے۔ 1988 میں محترمہ بینظیر بھٹو وزیراعظم بنیں تو آئی اے رحمٰن اپنے پرانے اخبار پاکستان ٹائمز میں واپس چلے گئے لیکن جب یہ حکومت ختم ہوئی تو عاصمہ جہانگیر انہیں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان میں لے آئیں۔ پھر رحمٰن صاحب نے اپنی زندگی انسانی حقوق کے لئے جدوجہد کی خاطر وقف کر دی لیکن انگریزی اخبارات میں کالم بھی لکھتے رہے۔

آئی اے رحمٰن صاحب کے ساتھ عقیدت اور لگاؤ کی ایک وجہ حبیب جالب بھی تھے جو رحمٰن صاحب کی بہت عزت کرتے تھے۔ جالب صاحب ایک ایسے انسان تھے جو بڑی مشکل سے کسی کی عزت پر آمادہ ہوتے تھے اور جب میں اُنہیں رحمٰن صاحب کے سامنے جھکا جھکا سا دیکھتا تو ان سے زیادہ جھک جاتا۔

رحمٰن صاحب کے ساتھ قربت میں اضافے کی بڑی وجہ عاصمہ جہانگیر بن گئی تھیں۔ عاصمہ جہانگیر نے اپنی بہن حنا جیلانی اور کچھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر بڑے محدود وسائل کے ساتھ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان قائم کیا تھا۔

یہ بات میرے ذاتی علم میں ہے کہ آئی اے رحمٰن صاحب اگر صرف کالم لکھتے تو بہت فائدے میں رہتے کیونکہ بھارت اور بنگلہ دیش کے بڑے بڑے اخبارات منہ مانگے معاوضے پر اُن کا کالم شائع کرنے کیلئے تیار تھے لیکن انہوں نے 1990 سے 2015 کے دوران ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان میں انتھک محنت کی اور لوگوں میں یہ شعور اجاگر کیا کہ ریاست اور اس کے شہریوں میں تعلق کو مضبوط بنانے میں انسانی حقوق کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔

پچھلے کچھ برسوں میں مجھے آئی اے رحمٰن صاحب کے ساتھ بہت سی کانفرنسوں اور سیمینارز میں گفتگو کا موقع ملا۔ میں ایک مرید کی طرح ان کی عزت کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرتا لیکن رحمٰن صاحب بڑی نفاست کے ساتھ تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری پیر پرستانہ گفتگو کو نظرانداز کر دیتے۔ وہ بہت بڑے آدمی تھے۔ وہ اُن لوگوں میں سے ایک تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں انجمن ہیں لیکن وہ انجمنِ ستائش باہمی کے قطعاً قائل نہ تھے۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے۔ فیض احمد فیض اور حبیب جالب کے دوست تھے لیکن اُن میں خودنمائی بالکل نظر نہ آتی تھی۔ اُن کے ساتھ ادب، فلسفے اور سیاست پر گفتگو ہوتی تو ایسا لگتا کہ وہ ایک ماہر تیراک کی طرح آپ کو علم کے سمندر میں انڈر واٹر لے گئے ہیں اور سمندر کی گہرائیوں میں موجود ایک نئی دنیا دکھا رہے ہیں لیکن عام زندگی میں وہ عام الفاظ میں عام آدمی کے حقوق پر بات کرتے اور اپنی علمیت کا رعب بالکل نہیں جھاڑتے تھے۔ وہ صرف زبانی کلامی حقوق العباد کا پرچار نہیں کرتے تھے بلکہ عملی زندگی میں بھی بندوں کے حقوق کا خیال رکھتے۔

صحافت میں ہمارے پرانے اُستادوں نثار عثمانی اور

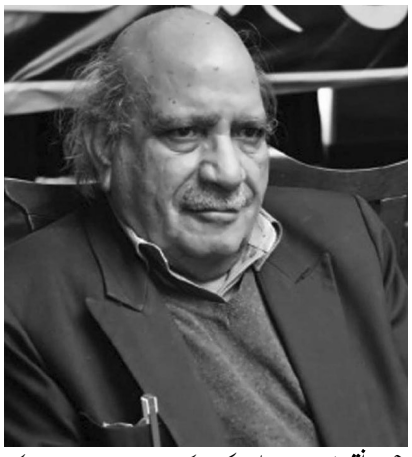

حسین نقی کے ساتھ جیلوں کی ہوا کھانے والے ایوب دربدر کو ایک دفعہ نوکری کی ضرورت پڑی تو نقی صاحب نے انہیں آئی اے رحمٰن کے پاس بھیج دیا۔

رحمٰن صاحب نے ایوب دربدر کو ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے دفتر میں ریسپشنسٹ کی جاب آفر کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آپ کی تنخواہ زیادہ نہیں ہوگی۔ ایوب صاحب نے یہ جاب قبول کر لی لیکن رحمٰن صاحب بعد میں بغیر کسی تقاضے کے اپنی طرف سے تنخواہ میں کمی کو پورا کرتے رہتے تھے۔ کچھ اور مثالیں بھی دے سکتا ہوں لیکن ایک ہی مثال کافی ہے کیونکہ اس کے راوی خود ایوب دربدر ہیں جو بدستور وہیں کام کر رہے ہیں جہاں رحمٰن صاحب اُنہیں چھوڑ کر گئے۔

ایک دفعہ میں نے آئی اے رحمٰن صاحب سے پوچھا کہ نوجوان صحافیوں کو کون سی کتاب ضرور پڑھنی چاہئے؟ رحمٰن صاحب نے کہا کہ ملک محمد جعفر کی کتاب جناح بطورِ پارلیمنٹیرین JINNAH AS A (PARLIAMENTARIAN) ہر صحافی اور سیاسی کارکن کو پڑھنی چاہئے۔

یہ جواب سن کر میں رحمٰن صاحب کی عاجزی پر حیران رہ گیا کیونکہ یہ کتاب میرے پاس موجود تھی اور اسے مرتب کرنے والوں میں ملک محمد جعفر کے علاوہ آئی اے رحمٰن اور غنی جعفر کا نام بھی کتاب کے ٹائٹل پر موجود ہے لیکن رحمٰن صاحب نے صرف ملک محمد جعفر کا نام لیا کیونکہ وہ ذاتی طور پر اُنہیں اپنے اُستاد کا درجہ دیتے تھے۔ رحمٰن صاحب کیلئے قائداعظم محمد علی جناح ایک آئیڈیل تھے اور اِسی لئے وہ تمام عمر جمہوریت اور انسانی حقوق کی جنگ میں مصروف رہے۔

بقول حارث خلیق اُنہیں اپنے اہلِ زبان پر ہونے پر نہیں اہلِ آواز ہونے پر فخر تھا۔ وہ بے آوازوں کی آواز تھے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد ہمیں اُن سب مظلوموں کی آواز بننا ہے جن کی آواز انصاف کے ایوانوں تک بڑی مشکل سے پہنچتی ہے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

آئی اے رحمان! ایک ترقی پسند صوفی

امتیاز عالم

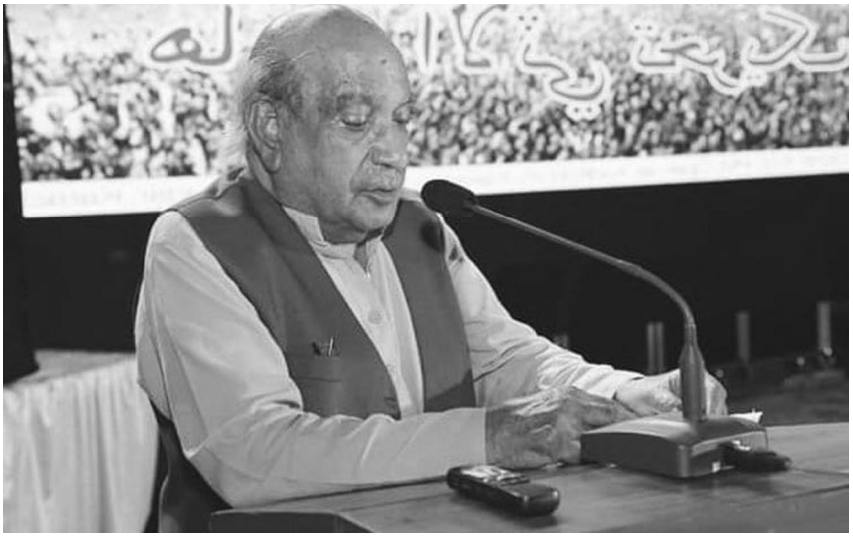

رحمان صاحب کیا سدھارے کہ یادوں کی براتیں اُمڈ آئیں۔ ترقی پسند فکر کا سوتا، قلم کا دھنی، درویش صفت، ملنسار اور انسانی حقوق کا پیامبر۔ جو 70 برس تک جہدِ مسلسل سے کبھی تھک نہ پایا۔

سرسید احمد خان کی عقلیت پسندی اور حسرت موہانی کی اشتراکی روایات کا امین اور علی گڑھ کا گریجویٹ اور بعد از پارٹیشن گورنمنٹ کالج لاہور کے اینگلو سیکسن ماحول میں نکھرا ہوا، بڑا افسر بننے کی بجائے قلم کا مزدور بن گیا۔

اُن کی پہلی صحافتی آماجگاہ بنی بھی تو پاکستان پراگریسو پیپرز لمیٹڈ جس کی داغ بیل ایک باغی مسلم لیگی میاں افتخار حسین نے ڈالی تھی اور وہ بھی محمد علی جناح کے دستِ شفقت سے۔

پاکستان ٹائمز (جس کے بانی ایڈیٹر انچیف فیض احمد فیض اور ایڈیٹر مظہر علی خان تھے) اُن کی پہلی صحافتی تربیت گاہ بنا۔

جہاں روزنامہ امروز میں صوفی تبسم، مولانا غلام رسول مہر اور مولانا چراغ حسن حسرت جیسے بلند پایا مدیران کے ساتھ ساتھ علم وادب و سیاست کی ایک کہکشاں جمی تھی جن میں احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین، عبدُ اللہ ملک، ظہیر بابر، حمید جہلمی، حمید اختر، امجد حسین، صفدر میر (زینو)، شفقت تنویر مرزا، ابنِ انشا، منو بھائی، احمد بشیر اور ہفت روزہ لیل ونہار میں صوفی تبسم سے لے کر سبطِ حسن جیسے ممتاز مصنف، ادیب اور فلسفی شامل تھے۔ نوجوان رحمان کو اِس سے اعلیٰ پائے کا ماحول کہاں مل سکتا تھا۔

اُن کی فکری، قلمی اور صحافتی صلاحیتیں خوب رنگ لائیں۔ پراگریسو پیپرز لمیٹڈ پاکستان میں ترقی پسند نظریات، پیشہ ورانہ مہارت اور جمہوری وانسانی حقوق کا سب سے اثر انگیز پلیٹ فارم تھا۔ پاکستان میں خیالات کی مہذبانہ جدوجہد میں ان اخباروں کے مدیر، کالم نویس اور صحافی پیش پیش تھے۔

پاکستان جمہوری ہو یا آمرانہ، ملائیت ہو یا روشن خیال، وفاق ہو یا وحدانیت، سرمایہ دارانہ استحصال ہو یا عوام کی معاشی نجات، غرض ہر موضوع پہ ترقی پسند زعما نے اپنا انقلابی کردار ادا کیا۔

پراگریسو پیپرز لمیٹڈ کو پہلا دھچکا اُس وقت لگا جب پاکستان نے امریکہ کا اتحادی بننا قبول کیا اور ایک جعلی راولپنڈی سازش کیس میں فیض احمد فیض اور کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری سجاد ظہیر دھر لیے گئے۔

کمیونسٹ پارٹی، انجمن ترقی پسند مصنفین سمیت تمام ترقی پسند محاذوں پر پابندی لگا دی۔ یہ امریکہ میں جاری میکارتھی ازم کا شاخسانہ تھا جس کی لپیٹ میں پاکستان کا بایاں بازو بھی آ گیا۔

یہی وہ دور تھا جب رحمان صاحب مارکس وادی ہو گئے اور عمر بھر اشتراکی جمہوری روایات کے امین رہے۔

ترقی پسند تحریک میں چینی روسی اختلافات میں الجھنے کی بجائے وہ پاکستان میں جاری جمہوری، عوامی اور ترقی پسند جدوجہد سے جڑے رہے اور بطور صحافی صحافت کی صفِ اوّل کو سنوارتے رہے۔ اُنہیں بڑا دھچکا تب لگا جب جنرل ایوب خان کا مارشل لا لگا اور پی پی ایل پر ریاست نے قبضہ کر کے اُسے نیشنل پریس ٹرسٹ میں بدل دیا۔

اس شب خون کے مصنف قدرت شہاب تھے۔ یہی زمانہ تھا جب پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹ (پی ایف یو جے) مقابلے میں اُتری اور رحمان صاحب بھی آزادیِ اظہار اور پریس کی آزادی کا جھنڈا لیے میدان میں اترے۔

وہ عمر بھر آزادی صحافت اور آزادیِ اظہار سمیت شہری، انسانی، معاشی، سیاسی، صنفی، خواتین اور اقلیتوں کے حقوق کی جدوجہد کے روحِ رواں رہے۔ جب مشرقی پاکستان میں فوج کشی ہوئی تو رحمان صاحب اور کچھ حریت پسندوں نے فوج کشی کی مخالفت کی اور ابتلاؤں کا سامنا کیا۔

اس اثنا پراگریسو پیپرز کی بحالی کے لیے تحریک چلی جس میں اس کی یونٹ کے صدر صفدر میر اور رحمان پیش پیش تھے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت نے رحمان صاحب کو پاکستان ٹائمز کا ایڈیٹر تو لگا دیا، لیکن وہ اور عزیز صدیقی اپنی ہی دھن میں لگے رہے۔

پھر اسلامی جمہوری اتحاد کی نواز شریف حکومت نے پراگریسو پیپرز کا تیا پانچا کر دیا۔ مظہر علی خان، رحمان صاحب اور میرے استاد ظفر اقبال مرزا (زم) نے لاہور سے ویو پوائنٹ ویکلی کا آغاز کیا جہاں سب باغی صحافی اکٹھے ہو گئے جن میں حسین نقی اور راقم الحروف بھی شامل تھے۔

پھر رحمان صاحب اور عزیز صدیقی نے عاصمہ جہانگیر کے ساتھ مل کر ہیومن رائٹس کمیشن کو ایشیا میں چوٹی کا انسانی حقوق کا ادارہ بنا دیا۔ اب صحافت کے ساتھ ساتھ رحمان صاحب پاکستان میں انسانی حقوق کے بڑے مبلغ اور محافظ کے طور پر سامنے آئے۔

انہوں نے سینکڑوں رپورٹیں، ہزاروں مضامین اور کتابچے لکھے۔ چونکہ اُن کا مشن انسان دوستی اور امن و آشتی سے بھرا تھا اُنہوں نے کامریڈ تپن بوس اور ڈاکٹر مبشر حسن کے ساتھ مل کر پاک بھارت دوستی برائے جمہوریت اور امن کے محاذ کی بنیاد رکھی۔

وہ سافما کے بانیوں میں سے بھی تھے۔ ساری زندگی یہ بزرگ درویش ایک جمہوری، ترقی پسند اور انسان دوست معاشرے کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پورا برصغیر اُن کی رحلت پر غمزدہ ہے۔ اُن پر ہر دو جہاں کی رحمتیں!

(بشکریہ جنگ)

آئی اے رحمان کی رخصتی

تنویر زمان خان

ابنِ عبدالرحمان بھی راہی ملک عدم ہوگئے۔ امن اور انسانی حقوق کیلئے اُٹھنے والی ایک بلند آواز خاموش ہوگئی۔ استاد اور رہنمائے صحافت ایک کالم نگار قلم سے ناطہ توڑ کے ابدی نیند سوگیا۔ رحمان صاحب کے ساتھ اپنے اپنے تعلق کے حوالے سے بہت سے لوگ بہت کچھ لکھ رہے ہیں۔ ویڈیو بنا رہے ہیں۔ رحمان صاحب کو کتنے لوگوں نے اپنے رنگ میں خود سے جوڑا ہوا تھا اِس کا اندازہ ان پر لکھے جانے والے کالمز، تحریروں اور محفلوں سے ہوتا ہے جہاں ان کا ذکر چل رہا ہے۔ رحمان صاحب ایک پورے دور کا نام ہے یعنی کئی دہائیوں پر پھیلی تاریخ کے گواہ 92 برس کی عمومی ستر سال کی متحرک تاریخ۔ اردگرد ہونے والے واقعات اور تاریخ کے نت نئے موڑ۔ ملک کی ڈولتی بدلتی تقدیر۔ انسانی حقوق سے محروم ہوتے اور پستے ہوئے طبقات کی چیخ و پکار۔ ٹوٹتا ہوا ملک اور لٹتے ہوئے عوام۔ کیا نہیں دیکھا اور محسوس کیا۔ رحمان صاحب نے پھر اس سب پر انسان دوستی کا پرچم بلند رکھا۔ یہ سب آئی اے رحمٰن کا خواصہ ہے یہی ان کی شخصیت کا رنگ ہے۔ آج میں بھی قلم اٹھائے ان پر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کچھ لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ سے ان چند لمحات کا ذکر کروں جو میں نے ان کی قربت میں گزارے۔ جو فقط رحمان صاحب کے ساتھ میری یادیں ہیں کوئی سنی سنائی باتیں نہیں۔ ابھی گزشتہ برس کی بات ہے کہ میری کتاب شائع ہونے والی تھی۔ رحمان صاحب سے درخواست کی کہ میری کتاب کا دیباچہ لکھ دیں تو رحمان صاحب نے کوئی تامل برتے بغیر نا صرف حامی بھری بلکہ بہت جلد لکھ بھی دیا۔ میں حیران رہ گیا کہ رحمان صاحب نے جو تحریر لکھ کے بھیجی میری پوری زندگی کا خلاصہ لکھ ڈالا۔ میں حیران تھا کہ رحمان صاحب میرے بارے میں اتنا زیادہ جانتے تھے حالانکہ میں تو کئی دہائیوں سے لندن میں مقیم ہوں۔ اب میری خوش قسمتی دیکھئے کہ ان کی وہ تحریر اور میری کتاب مستقل طور پر ساتھ بندھ گئے ہیں جو کہ میرا فخر اور یادگار ہے، ایک دفعہ 2011 کی بات ہے۔ جب میں لندن میں فیض صاحب کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں فیض میلے کا چیف کوآرڈینیٹر تھا اور بعد میں فیض کلچرل فاونڈیشن بننے کے بعد اس کا سیکریٹری جنرل منتخب ہوا تھا۔ میں اسی صد سالہ تقریب کے سلسلے میں لاہور گیا۔ جانے سے پہلے یہاں لندن میں رحمان صاحب کے جگری دوست اور صحافت و سیاست میں صبح شام کے ساتھی پروفیسر امین مغل صاحب سے ملا۔ ان سے فیض میلے کی تفصیلات کا ذکر کیا اور پوچھا کہ میں نے لاہور میں آپ کے دوست رحمان صاحب سے ملنا ہے اور انہیں فیض میلہ میں شرکت کیلئے لندن آنے کی دعوت دینی ہے تو کیا وہ رضا مند ہوں گے اور لندن آگئے تو کہ کیا وہ آپ کے پاس ٹھہر سکیں گے۔ ویسے تو یہ سب امین صاحب سے پوچھنا ہی بے معنی سی بات تھی۔ کیونکہ ویسے تو میرا بھی امین صاحب کے ساتھ اتنا تو محبت اور احترام کا رشتہ تھا کہ انہوں نے کیا کہنا تھا لیکن جب میں نے رحمان صاحب کا ذکر کیا تو امین صاحب مسکرائے اور کہا کہ یار اور رحمان کہاں جائے گا تو بس مزید بات کی ضرورت ہی نہ رہی۔ میں لاہور گیا اور رحمان صاحب سے ملا۔ رحمان صاحب نے بڑی شفقت اور پیار سے مجھے بٹھایا اور فوری طور پر چائے منگوائی۔ میں نے انہیں فیض میلہ لندن کیلئے باضابطہ دعوت نامہ پیش کیا۔ رحمان صاحب نے فوری طور پر بخوشی دعوت قبول کی۔ میرے ذہن میں تو تھا کہ بوجہ عمر کوئی صحت آڑے نہ آجائے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ہم نے دیگر تفصیلات طے کیں۔ کچھ دوستوں کے حال احوال اور کچھ امین مغل صاحب کی چغلی نما باتیں کیں۔ اس کے بعد پھر لندن ائیر پورٹ پر ہی رحمان صاحب کا استقبال کیا اور رحمان صاحب کو ان کے یارِ سیاست وصحافت پروفیسر امین مغل صاحب کے پاس پہنچا دیا۔

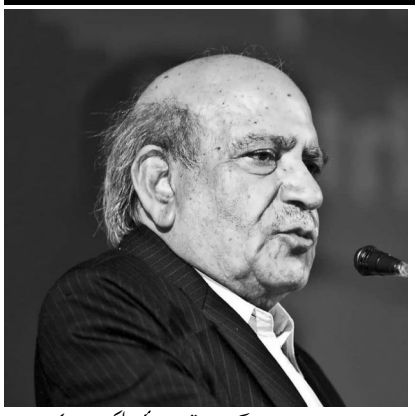

پھر لندن میں ان کے ساتھ کچھ ملاقاتیں تو ہوئیں لیکن جب بھی لاہور گیا رحمان صاحب کے پاس ضرور حاضری لگوائی۔ ہمیشہ سب احباب کا حال احوال پوچھتے اور سرگرمیوں کا ذکر کرتے۔ ایک مرتبہ ان کے ساتھ لاہور میں خاور نعیم ہاشمی کی صاحبزادی کی شادی پر ملاقات ہوئی میں بھی شادی میں شریک تھا۔ وہاں رحمٰن صاحب بھی تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور اپنے پاس بلالیا۔ ہم لگ بھگ ایک گھنٹہ اکٹھے بیٹھے رہے اور وقفوں وقفوں سے باتیں کرتے رہے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ رحمان صاحب کی صورتحال پیروں جیسی ہے۔ جتنے صحافی اور سیاسی لوگ اس تقریب میں آرہے تھے۔ کس کس کا نام لوں۔ بس یوں سمجھیے کہ لاہور کا کوئی نامی گرامی صحافی ایسا نہیں تھا جو پہلے آکر رحمان صاحب کے گھٹنے چھو کر سلام نہ کرتا ہو۔ ہر ایک کی زبان پر استاد محترم، پیر جی وغیرہ جیسے القابات اور سب رحمان صاحب کا اشیر باد لیکر بڑھتے۔ اور بھی کئی واقعات ہیں لیکن سب اس کالم میں سمیٹ نہیں سکتا لیکن آئندہ تحریروں میں ضرور شئیر کروں گا۔ بس آخر میں اتنا کہوں گا کہ رحمان صاحب ہم سب کا فخر تھے اور ہمیشہ سوچوں اور دلوں میں زندہ رہیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

دیش بھگت دا شبد اخیری

وجاہت مسعود

ٹھیک بیس برس پہلے یہ نظم آئی اے رحمان صاحب کے لئے لکھی تھی۔ کہیں شائع نہیں ہوئی۔ یہ ادنیٰ طالب علم کی استاد زماں سے محبت ہے۔ پنجابی زبان میں ہے۔ ترجمہ کرنے سے معذور ہوں۔ محبت (اور احترام) کے اپنے بیل بوٹے ہوتے ہیں۔

لنگھ آؤ سجنو
لے آؤ گل دی بھری پرات
مٹھے شبداں دا پشتارہ
ہار حمیلاں
ٹھہن نرول تے
پتر ساوے
چُمیے، جی وچ رکھیے
سجنو کت پل درشن دتے
بیڑی پتنے بوڑ گئی
اسیں فائلاں، پرچے
پُلس رپورٹاں پُور گئے
جداکھیاں دے وچ
رانجھن جھوک دے دیوے بلدے
من وچ ٹھنڈ سرور
سانوں مان یتیمی جیون دا
اسیں بے وطنے!
ساڈی بات نہیں اپڑی
متراں تائیں
چیتر ونج و پار
جیون جند ویران
اسیں جھلے، بڈھڑے
پیراں دے ہیٹھ برفاں ہنڈے
ویری کوس ہزار
اگ دے لنبو روک لئے
اسیں ہِک ہماتڑ نال
اساں تکنی جھلی شوہدے دی
کسے ماکھن چور دی لاٹھ
ساڈی ہوند دا آدر رہن دیو
ساڈی سرگم سم تے نشٹ ہوئی

(بشکریہ ہم سب)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:	
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال / مہینہ / تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں / محلّہ
	ڈاک خانہ / تحصیل وضلع
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں / نہیں
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)	
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل	

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: .....

تاریخ: .....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

Monthly JEHD-E-HAQ

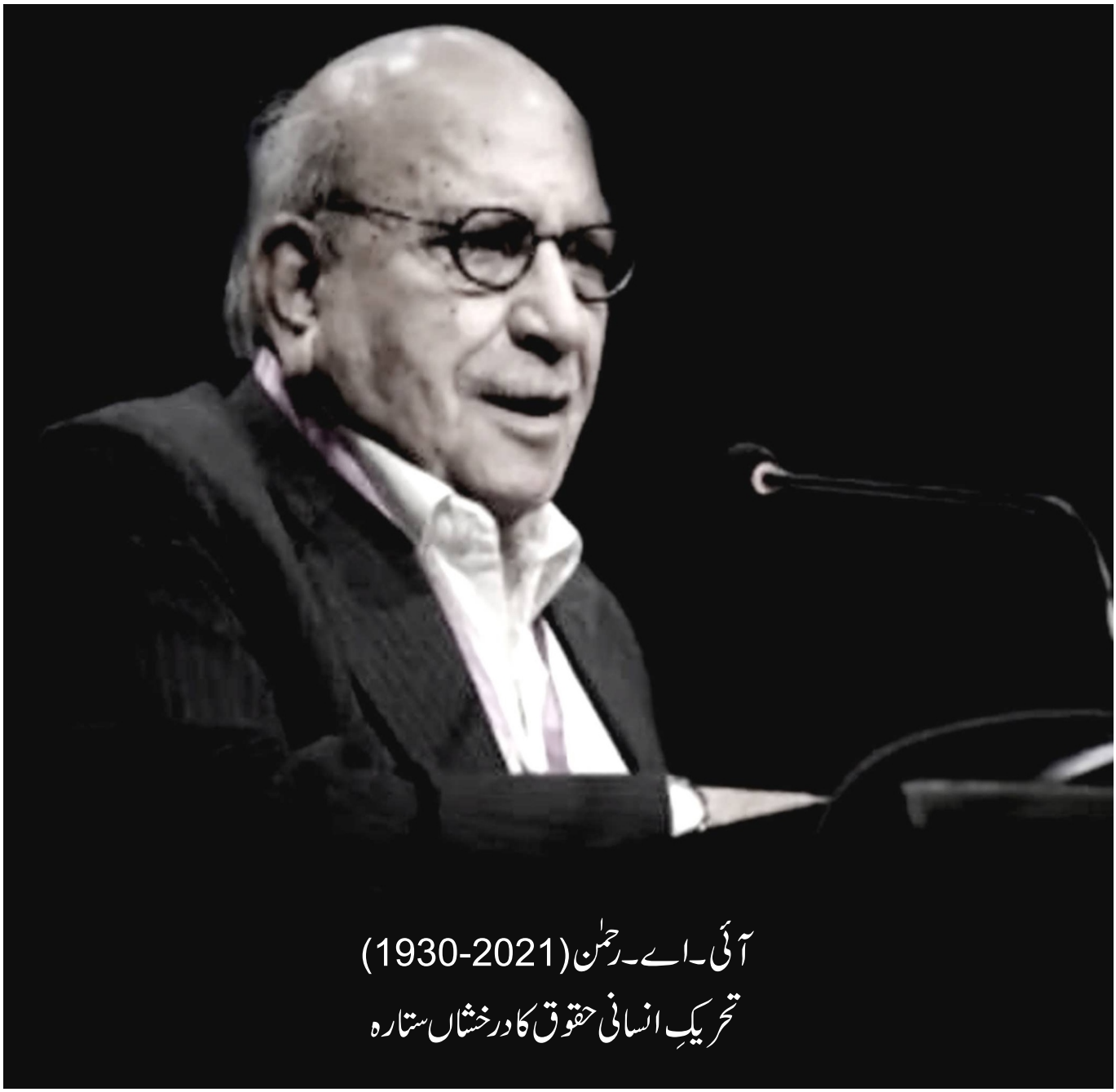

آئی۔اے۔رحمٰن (1930-2021)

تحریکِ انسانی حقوق کا درخشاں ستارہ

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

اظہارِ لاتعلقی: براہِ مہربانی نوٹ کرلیں کہ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) کا جہدِ حق کے مَتن سے مُتفق ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا، جہدِ حق میں شامل مواد و خیالات کی ذِمہ داری کسی طور پر بھی ایف این ایف پر عائد نہیں کی جاسکتی۔
اظہارِ تشکّر: جہدِ حق کی اشاعت کے لیے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) نے مالی معاونت کی ہے جس کے لیے ایچ آر سی پی، ایف این ایف کا انتہائی مشکور ہے۔